اسلام میں خدمت خلق کی اہمیت، مقام اور طریقہ کار

تالیف
مولانا مفتی محمد ایاز صاحب

العلم پبلیکیشنز

اسلام میں خدمت خلق
کی
اہمیت، مقام اور طریقہ کار

ابو معاویہ مولانا مفتی محمد ایاز حفظہ اللہ

العلم پبلیکیشنز محلہ جنگی پشاور
091-2590315

فہرست مضامین

- حقوق العباد کی اہمیت اور ضرورت 123
- اعمال کے تین رجسٹر 127
- انسان کی اصلیت 129
- خدمت خلق کی اہمیت 130
- معاشرتی تعلقات اور خدمت خلق 131
- رفاہی خدمات عبادت ہیں 139
- مخلوق کی خدمت کے بغیر تصوف حاصل نہیں ہو سکتا 140
- تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم 141
- حیوانات پر رحم 149
- جانوروں پر رحم کرنے سے مغفرت ہو گئی 149
- مخلوق خدا کا خیال رکھنے کا ثواب 150
- کتے کو پانی پلانے سے مغفرت ہو گئی 150
- جانور کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے جہنم کا عذاب 151
- ایصال ثواب کے لیے پانی پلانے کی ترغیب 151
- نبی کریم ﷺ اور خدمت خلق 151
- خلفائے راشدینؓ اور خدمت خلق 154
- خدمت خلق کا جامع تصور 157
- خدمت خلق ”مقصد دین“ 160

۞ خدمت خلق کا مقام	162
۞ خدمت خلق [انفرادی طور پر]	163
۞ خدمت خلق کی صورتیں	163
۞ کسی کو تکلیف نہ دینا	163
۞ چند احتیاطیں	166
۞ انفاق فی سبیل اللہ	167
۞ مال نہیں، قلبی وسعت	169
۞ بھلی بات کہنا	170
۞ صلاحتیں لگانا	171
۞ خدمت خلق [اجتماعی طور پر]	172
۞ اجتماعی کام کی نوعیت	173
۞ اجتماعی کام کی ترغیب اور امداد باہمی	174
۞ نیت کی درستی	176
۞ اپنی ذات سے آغاز	179
۞ خدمت خلق کے کام	183
۞ ماخذ و مراجع	189

حقوق العباد کی اہمیت اور ضرورت

انسان کی فلاح و بہبود، خوشحالی و اطمینان اور امن و سکون کے لیے لازم اور ضروری ہے کہ وہ مل جل کر رہیں، آپس میں بھائی چارہ قائم کریں اور ایک دوسرے سے محبت کریں اور باہمی احترام کی فضا پیدا کریں۔ باہمی اشتراک و تعاون کی اس فطری ضرورت نے اقوام اور قبائل کو جنم دیا ہے، یعنی معاشرہ وجود میں آیا، پھر معاشرے کی تاسیس حقوق و فرائض کی ادائیگی کی بنیادوں پر ہوئی، نتیجتاً ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کی ادائیگی کو لازم قرار دیا گیا۔ اس احساس ذمہ داری کے بغیر نہ کوئی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے نہ یہ ترقی کی منزلیں طے کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب کائنات کو پیدا کیا اور زمین و آسمان بنائے، پھر اس میں اشرف المخلوقات انسان کو پیدا کیا اور اُس کی ہدایت کے لیے آسمانی ہدایات اپنے نبیوں پر نازل فرمائے تاکہ انبیاء علیہم السلام لوگوں کو ان ہدایات کے ذریعہ تبلیغ کریں۔ پھر سب سے آخر میں خاتم الانبیاء نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں اس وقت مبعوث فرمایا جب لوگ جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے لوگوں کو توحید و رسالت کا درس دیا اور ماننے والوں کو ایمانیات کے ساتھ ساتھ عبادات سکھائیں، جیسے جیسے جس عبادت کا حکم نازل ہوتا رہا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سمجھایا۔ مزید یہ کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی بھی تلقین کرتے رہے۔

الغرض قرآن حکیم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ تعلیم دی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ یہ کائنات اور کائنات کی تمام چیزیں جو ارد گرد موجود ہیں وہ ان کی خدمت اور منفعت کے لیے ہی پیدا کی گئی ہیں اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا [سورۃ البقرہ:۲۹]

"اللہ تعالیٰ وہ ذات پاک ہے جس نے زمین میں تمام اشیاء کو تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے"۔

قدرتی طور پر یہ زمین اور اس زمین میں جو کچھ موجود ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کے استفادہ کے لیے ہے۔ اس لئے تمام انسانوں پر کہ جو اس کرۂ ارض پر آباد ہیں یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور دوسرے انسانوں کو بھی فائدہ پہنچائیں اور دوسرے انسانوں کے مفاد کا، ان کے حصے کا اور ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنا حقوق العباد کی ادائیگی کہلاتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے جب کسی انسان کو دولت عطا فرمائی تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوسروں کو بھی حتی الوسع اس نعمت میں شریک کیا جائے اس لیے کہ یہ اُن کا حق ہے اور اِس کا شمار حقوق العباد میں ہوتا ہے۔

اسی طرح جب کسی کو اللہ نے زمین کا کوئی حصہ عنایت کیا ہو اور اُس نے اِس زمین میں کچھ بویا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے ہری بھری کھیتی تیار ہوئی، تو اس کا فرض ہے کہ اس میں محتاج و محروم کا حصہ ادا کرے۔

اسلام نے حقوق کے بیان کو اتنی وسعت دی ہے کہ بندوں کے حقوق کے علاوہ بندوں پر دوسری مخلوقات کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کی بھی وضاحت کے ساتھ نشان دہی کی ہے یعنی بندوں کے ایک دوسرے پر حقوق تو واضح ہیں، لیکن ان کے علاوہ حیوانات، نباتات اور جمادات کے حقوق بھی اِن پر عائد ہوتے ہیں۔

سرور کائنات فخر موجودات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ ایک شخص صرف اس لئے بخشا گیا کہ اس نے ایک پیاسے کتّے کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی تھی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت جس نے بلّی پال رکھی تھی مگر وہ اسے کھانے کو کچھ نہیں دیتی تھی اس عورت کو اپنی بے رحمی کی وجہ سے عذاب دیا گیا، مدعا یہ تھا کہ مسلمان یہ سمجھ لیں کہ انسانوں کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ تمام دوسری مخلوقات کے حقوق بھی ادا کرنا ضروری ہیں۔

حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں اسلام پہلا اور آخری دین ہے، جس نے انسانوں کے مختلف رشتوں سے فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی اولیت متعین کر دی ہے۔ حقوق العباد کی ادائیگی کا یہ طریقہ کہ والدین اور اعزہ محروم رہیں، لیکن دوسرے مستفید ہوں، اسلام کی نظر میں مستحسن نہیں ہے، اسلام اس قسم کے غیر انسانی اور غیر فطری سلوک کا قائل نہیں ہے۔اسلام حقوق کی ادائیگی میں نسبی اور خاندانی قربت کو ترجیح دیتا ہے، تمام بندوں کے حقوق ادا کیے جائیں اور اس ترتیب اور درجہ بندی کے ساتھ جو اسلام نے مقرر کر دی ہیں۔ اگر کوئی شخص والدین کے حقوق ادا نہ کرے، قرابت داروں کے ساتھ احسان نہ کرے، یتیموں، مسکینوں اور پڑوسیوں کا خیال نہ رکھے، مسافروں کی امداد نہ کرے،غلاموں کو آزادی دلانے اور مصیبت زدہ مسلمانوں کو ذلت ورسوائی اور غلامانہ ماحول سے نکالنے کی کوشش نہ کرے، چاہے دوسروں پر احسان و کرم کی جتنی بھی بارش کرے، حقوق العباد کا اسلامی شریعت کے مطابق ادا نہ کرنے کا مجرم ضرور قرار پائے گا اور اس کی مثال بارش کے اُس پانی کی سی ہوگی جو پہاڑ اور بنجر زمین پر برسے اور پیداوار والی زمین قحط سالی کا شکار ہو رہے۔

حقوق العباد کو اسلام میں جو اہمیت دی گئی ہے اس کا اسی طرح کا کوئی تصور اس سے قبل کسی شریعت یا معاشرے میں نہ تھا، اسلامی شریعت میں اس حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ:

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

محتاج کی حاجت دور کرنا، بیمار کی عیادت کرنا، بیواؤں کی سرپرستی، یتیموں کی پرورش ، مجبور و معذور افراد کی دست گیری ،اَن پڑھے لوگوں کے لیے تعلیم کا انتظام' ایسے معاملات ،اسلامی شریعت میں بہترین عبادات کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسلامی شریعت میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ کوئی پڑوسی بھوکا نہ رہے اگر خود پیٹ بھر کر کھالیا اور پڑوسی بھوکا رہ گیا تو یہ آدمی کامل ایمان والا نہیں۔

انسانوں کے حقوق ادا کرنا اور ہر لحاظ سے انسانوں کا احترام کرنا اور ان کی عزت قائم کرنا اسلامی تعلیمات کے ذیل میں آتا ہے ، جو انسان حقوق العباد کی ادائیگی کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں، اُن کا شمار ارباب سر بلند میں ہوتا ہے، یہ وہ انسان ہوتے ہیں کہ جو اپنے آرام و آسائش کو چھوڑتے ہیں اور بہ کمال ایثار دوسروں کے کام آتے ہیں۔ایسے ایثار پیشہ اور محب انسان و انسانیت، لوگوں کو اسلام بلند مقام عطا کرتا ہے۔اگر ہمیں اپنے ماحول اور معاشرے میں غربت و جہالت ملتی ہے اور معاشرے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ضرورت مند اور یتیم و محتاج موجود ہیں اور اگر ہماری نگاہیں معاشرے میں بد اخلاقیوں کو دیکھ رہی ہیں اور اگر ہمارا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ معاشرے میں فسق و فجور موجود ہے یا اگر کوئی معذور بے توجہی کا شکار ہے تو باور کرنا چاہیے کہ ہم نے اپنے معاشرے اور سوسائٹی کو قالبِ اسلام میں ڈھالنے میں کوتاہی کی ہے، جبکہ ہمارا دین ایسے حالات میں ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہم تعلیماتِ اسلام سے رہنمائی حاصل کریں اور اپنے ماحول اور معاشرے کو تمام گندگیوں اور اخلاقی غلاظتوں سے پاک کرنے کا عزم کریں۔

قرآن پاک کا ارشاد ہے:

"يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ" [بقرہ:]

"کہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ آمدنی کا کتنا حصہ دوسروں پر خرچ کریں،اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجیے کہ اپنے اخراجات کو محدود کرکے دوسروں پر خرچ کریں"۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دولت لٹا کر خود بھی سائل و محروم کے زمرے میں شامل ہو جاؤ، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنے کو احتیاج میں ڈالے بغیر اپنی آمدنی کا کچھ حصہ دوسروں پر خرچ کریں جتنا ہو سکے۔لطف کی بات یہ ہے کہ اسلام نہیں کہتا کہ جو تم خرچ کر رہے ہو اور محتاج کو دے رہے ہو وہ تم اِس پر احسان کر رہے ہو بلکہ وہ اصرار کرتا ہے کہ بندوں کا حق ادا کرنا تم پر فرض ہے، اللہ کی رضا کا ذریعہ ہے ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کا

عملی طریقہ ہے۔

معذوری کی متعدد اقسام ہیں، ذہنی معذوری' جسمانی معذوری' نابینائی' بے بضاعتی، یہ سب معذوریاں ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ایسے افراد موجود ہیں کہ جو حوادثِ زمانہ کی وجہ سے معذوروں میں شمار ہو رہے ہیں، تو ایسے تمام افراد معاشرے کے خوش حال، صنعت کار اور تاجر وغیرہ کی توجہ چاہتے ہیں، تقاضائے حقوق العباد یہ ہے کہ تمام معذور افرا کا ہاتھ تھاما جائے اور ان کی باعزت زندگی کا سامان کیا جائے۔

اعمال کے تین رجسٹر:

ایک حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ آخرت میں اعمال نامے تین طرح کے ہوں گے۔ ایک اُن لوگوں کے ہوں گے، جنہوں نے کفر و شرک کیا ہو اور وہ اسی شرک و کفر کے ساتھ دنیا سے چلے گئے ہوں تو اِن کی بخشش نہیں ہو گی اور دوسرے اعمال نامے اُن لوگوں کے ہوں گے جنہوں نے لوگوں کی حق تلفی کی ہوں گی تو ان کا حساب سختی سے ہو گا، اس میں کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔ اور تیسرے اعمال نامے اُن لوگوں کے ہوں گے جن کے عقائد بھی صحیح تھے اور حقوق العباد کا معاملہ بھی صحیح تھا، لیکن حقوق اللہ کے بارے کچھ کمزوریاں تھیں مثلاً نماز دیر سے پڑھی، خشوع خضوع سے نہیں پڑھی ،ایسے لوگوں کا معاملہ اللہ کے پاس ہی ہے، جسے چاہے بخش دے ، جسے چاہے عذاب دے۔ پھر معاملہ کی صفائی کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تین رجسٹر ہیں:

ایک رجسٹر کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ دوسرے رجسٹر کے بارے میں فرمایا کہ جو کچھ اس کے اندر ہے، وہ ہرگز معاف نہیں ہو گا اور تیسرے رجسٹر کے بارے میں فرمایا کہ اس کے اندر جو کچھ ہے، اس کے بارے میں ضرور حساب ہو گا۔

اس کی تشریح یوں فرمائی گئی ہے کہ: پہلا رجسٹر وہ ہے جسے اللہ کو کوئی پرواہ نہیں، یہ وہ رجسٹر ہے جس کے اندر انسان کی ان کوتاہیوں کا تذکرہ ہوگا، جو اس نے اللہ کے حقوق میں کی ہوں گی، جیسے نماز میں کوتاہی کی، روزہ میں کوتاہی کی، صدقہ میں کوتاہی کی، یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کہلاتے ہیں، اس طرح کی یہ کوتاہیاں اس رجسٹر میں لکھی ہوئی ہوں گی، اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس طرح کی کوتاہیوں کو معاف فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے معاف فرمانے کے بہت سے وعدے کئے ہوئے ہیں تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے، چاہوں تو حساب لوں گا، چاہوں تو معاف کردوں گا۔

دوسرا رجسٹر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو کچھ اس کے اندر ہے وہ ہرگز معاف نہیں ہوگا یہ وہ رجسٹر ہے، جس میں بندوں کا کفر و شرک لکھا ہوا ہوگا، اس لئے اس کی ہرگز معافی نہ ہوگی، جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہوگا اس رجسٹر میں ان کا شرک و کفر لکھا ہوگا، اس بارے میں ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہوگی، ذرہ برابر بھی اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نرمی نہیں فرمائیں گے اور ان کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیں گے۔ (اللہ بچائے آمین)

اور تیسرا رجسٹر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا ہوا ہے کہ جو کچھ اس کے اندر ہے، اس کے بارے میں ضرور حساب لوں گا، یہ وہ رجسٹر ہے جس کے اندر بندے کی حق تلفیاں لکھی ہوئی ہوں گی، ایک انسان نے دوسرے انسان کو جو ستایا ہوگا اور جو تکلیف دی ہوگی، وہ سب اس رجسٹر میں لکھا ہوا ہوگا، اسی طرح حقوق العباد کی جتنی کوتاہیاں ہوں گی، وہ سب اس کے اندر درج ہوں گی۔ اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ ضرور بالضرور اس کا حساب کتاب لیں گے اور انصاف دیں گے۔

بہتر یہ ہے کہ آخرت کے حساب سے پہلے ہمیں دنیا میں ہی اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

وَحَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوا [حدیث]

"اس سے پہلے کہ تمہارا حساب کیا جائے اپنا محاسبہ کر لو"۔

امام قرطبیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے ایک دانق بھی ناحق لے لے گا تو قیامت کے دن اس ایک دانق کے بدلے میں اِس کو سات سو مقبول نمازیں دینی پڑیں گی۔ (ایک دانق ایک درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے)۔

وہاں کا معاملہ کتنا نازک ہے۔۔! اس لیے جس کے حق میں کوتاہی ہو گئی ہو، زیادتی ہو گئی ہو، بس آج ہی اس بات کا اہتمام شروع کریں کہ ایک دوسرے سے معافی تلافی کر لیں، ایک دوسرے کو معاف کر دیں، پیسہ لیا دیا ہے تو پیسہ لے دے کر معاملہ صاف کر لیں اور جس نے رشوت یا سود لیا ہے تو وہ واپس کریں، جس نے حرام مال کھایا ہوا ہے، وہ اپنے مال میں سے اتنی مقدار نکالے، یا کسی کو تکلیف دی ہو یا کسی کا حق باقی ہو تو معاف کرالیں یا حق دلائیں۔ ہم مرنے سے پہلے اپنا دامن دنیا میں اس طرح صاف کر لیں کہ کسی انسان کی حق تلفی ہمارے ذمہ نہ رہے، اس طرح ہم اپنا دامن صاف کر لیں گے تو یہ مشکل مرحلہ بھی آسان ہو جائے گا۔ [اصلاحی خطبات مفتی تقی عثمانی صاحب]

انسان کی اصلیت:

لفظ انسان اُنس سے مشتق ہے، مادہ اس کا "الف" اور "نون" اور "سین" ہے، اس کے لغوی معنی مانوس ہونا، اُنس، پیار، محبت اور مل جُل کر رہنے کے ہیں۔ اگر اس انسان کو تنہا چھوڑ دیا جائے، خواہ کتنے ہی آرام و سکون سے زندگی گزارے مگر اکیلا ہو، کوئی انسان اس سے ملنے والا نہ ہو، تو یہ اکیلا انسان خوش نہیں ہو گا کیونکہ اُس کی فطرف کا تقاضا دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جُل کر رہنے کا ہے۔ علیحدگی اس کی فطرت میں نہیں بلکہ اس کے لیے مضر ثابت ہوتی ہے۔

خدمت خلق کی اہمیت:

انسان مدنی الطبع ہے یعنی انسانی فطرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہے، انسانوں سے علیحدہ، تنہائی کی زندگی بسر کرنا، انسانی فطرت کیخلاف ہے۔ اسی لئے اسلام بھی اس کے خلاف ہے۔ اس کے بر عکس مل جل کر کام کرنے کی صورت میں ایک دوسرے کی ضروریات پیش نظر ہوتی ہیں جن کی ادائیگی لازمی ہوتی ہے۔ حق داروں کے حقوق اور محتاجوں کی ضروریات کو حکم خداوندی کے تحت سرانجام دینے کا نام خدمت خلق ہے۔ اسی طرح خدمت خلق کا اطلاق ہر ایسے کام پر ہوتا ہے جس سے ہر شخص کو یکساں فائدہ پہنچے ۔ خدمت خلق کا دائرہ انسان تو کیا جانوروں اور درختوں تک بھی پھیلا ہوا ہے۔ ہم پر انسانوں کا سب سے بڑا حق تو یہ ہے کہ ہم ان تک زندگی گزارنے کا وہ صحیح طریقہ پہنچائیں جن پر ان کی دنیا و آخرت کی فلاح کا انحصار ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کے سامنے اسی کام کو ایک منصب کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

[آل عمران: ۱۱۰]

"تم ایک بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو"۔

دوسری جگہ نیک لوگوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ۔ [الحجرات: ۱۰]

"کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح واصلاح کر لیا کرو"۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو گروہوں کے درمیان صلح کرانا بھی خدمت خلق ہے، قرآن مجید میں ایک اور نہایت پر حکمت آیت ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ، قُلِ الْعَفْوَ۔ [البقرہ: ۲۱۹]

"وہ پوچھتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا خرچ کریں۔ کہو جو کچھ تمہاری ضرورت سے زائد ہو۔"

اسی طرح قرآن پاک میں ہی اہل ایمان کی ایک خصوصی صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [حشر: ۹]

"وہ اپنے پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں"۔

آج کی دنیا میں خود غرضی اور نفسا نفسی کا ایسا دور دورہ ہے جس میں ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق پر قبضہ جما کر جتنا فائدہ اٹھالے اتنا اچھا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ نیکی کرتا ہے تو یہ سوچتا ہے کہ اس کے بدلے میں اس شخص سے یہ فلاں فائدہ حاصل کرلوں گا۔ آج کے معاشرے میں یہی خود غرضی اور مطلب پرستی ایسی لعنت بن چکی ہے جس نے انسان کا ذہنی سکون ختم کر دیا ہے۔ کھینچا تانی اور بھاگ دوڑ نے انسانی اعصاب کو تھکا دیا ہے۔ اسلام کے جذبۂ خدمت خلق کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے فائدے سے ماورا ہو کر لوگوں میں انسانیت بیدار کرے اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے جہاں ہر مظلوم کی مدد کی جائے۔ ہر ضرورت مند کی ضرورت پوری کی جائے اور ہر فرد اپنے ذاتی مفاد کو پس پشت ڈال کر خلوص اور محبت کو عام کرے تاکہ معاشرہ کا ہر فرد خوشحال اور مطمئن ہو۔

ایک اور جگہ قرآن مجید میں اہل ایمان کی خصوصی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔ [الدھر: ۸]

"وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں"۔

معلوم ہوا کہ حاجت مندوں پر خرچ کرنا بھی خدمت خلق ہے۔

معاشرتی تعلقات اور خدمت خلق:

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ دین پوری زندگی کا نظام ہے۔ اور یہی وہ اعلان ہے جس پر اقامت دین اور جہاد فی سبیل اللہ کی تحریک قائم ہوئی ہے۔ تو ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ انسان کی

تمام تر زندگی انسانی روابط کا مجموعہ ہے۔ انسان دنیا میں پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جب دو انسان ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک خاندان بناتے ہیں۔ انسان کا بچہ اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے اور اس کی پرورش ہو سکتی ہے، جب دو انسان مل کر اس کی خدمت کریں اور اس کو زندگی کا سامان بہم پہنچائیں۔ اس کے بعد بھی، اس کی پوری زندگی دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلقات سے عبارت ہے۔ ہم اقامتِ دین کے ضمن میں معاشرتی نظام، معاشی نظام، سیاسی نظام اور اس قسم کے دیگر نظاموں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ سب کے سب نظام بھی انسان اور انسان کے تعلق، ان کے درمیان روابط، اور ان کے باہمی خیالات اور مال اور اشیاء اور دوسری چیزوں کے تبادلے سے وجود میں آتے ہیں۔

اس لحاظ سے، اگر پورے دین کی اقامت مقصود ہو، تو جہاں یہ ضروری ہے کہ آدمی اپنے دل میں، اور اپنی ذاتی زندگی میں، ہر جگہ اللہ کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرے، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے انسانوں کے ساتھ اس کے روابط اور تعلقات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق قائم ہوں۔ ایک لحاظ سے آپ غور کریں تو اقامت دین کی ساری جدوجہد بھی دراصل انسان کی خدمت و محبت کا نتیجہ ہے۔ اس لیے کہ اقامت دین کی جدوجہد کا مقصد اس دنیا میں بنی نوع انسانی کو عدل وانصاف کی نعمت سے بہرہ ور کرنا ہے تاکہ ان کی زندگی سکون سے اور رحمت سے بھر جائے، وہ یہاں آسائش اور فراخی کے ساتھ زندگی گزار سکیں، اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچ سکیں۔ یہی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی ہے: میری اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی نے آگ جلائی اور سارا ماحول روشن ہو گیا، تو پروانے اور کیڑے جو آگ میں گرتے ہیں وہ آگ میں گرنے لگے، اور میں ان کو پکڑ پکڑ کر بچا رہا ہوں۔ اسی طرح میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر کہتا ہوں کہ اللہ کے بندو آگ سے بچو! اور تم ہو کہ مجھے نظر انداز کر کے آگ میں گرے جا رہے ہو۔

جو داعی بھی دین کی اقامت اور دعوت اور شہادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے، اس کی بنیاد

یہی درد اور سوز ہے۔ اسی سے دعوت کے اندر وہ کیف واثر اور کشش پیدا ہوتی ہے، جس سے انسان اس کی طرف کھچے چلے آتے ہیں۔ خشک دعوت انسانوں کے دلوں پر کبھی بھی اثر نہیں کرتی جب تک کہ اس کے اندر ان کے لیے محبت اور سوز و درد نہ ہو۔ داعی اور اقامت دین کے مجاہد کی حیثیت سے، انسان کی خدمت اور دنیا کے اندر اس کو عدل وانصاف سے بہرہ ور کرنے کے لئے اور آخرت میں اس کو جہنم کے عذاب سے بچانے کے لیے جو تڑپ ہونی چاہیے ، وہی دراصل خدمت کی بنیاد بنتی ہے ۔

دین کی اقامت اُن کے لیے نہیں ہے جو دنیا میں اپنی بلندی، اپنا غلبہ اور اپنی حکومت چاہتے ہیں۔ اہل ایمان تو وہ ہیں جو اس بات سے بالاتر ہوتے ہیں اور انسانوں کے خادم بن کر ان کے اوپر حکومت کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے تو کہا ہے کہ جو حکومت زمین میں اپنی بڑائی اور اپنا غلبہ واستیلاء نہیں چاہتی اور نہ بگاڑ چاہتے ہیں، ہم نے ان کے لئے آخرت مخصوص کر رکھی ہے۔ ہمارے دورِ اول کے حکمرانوں نے یہی بات ثابت کر دی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے کہ جب کسی عامل نے انہیں لکھا کہ آپ نے جزیہ معاف کر دیا تو بیت المال خالی ہو جائے گا۔ اِس پر انہوں نے کہا : اللہ نے اپنے نبی کو ٹیکس کلکٹر بنا کر نہیں بھیجا تھا ،بلکہ ہادی بنا کر بھیجا تھا۔ اگر خزانہ خالی ہو جائے تو اس میں جھاڑو دے کر تالا ڈال دو۔ ہم حکومت اس لیے نہیں کر رہے کہ لوگوں سے ٹیکس جمع کریں، بلکہ اس لیے کر رہے ہیں کہ ان کو صحیح راہ پر لگانا ہے۔ دراصل اقامت دین، جہاد اور دعوت کے اندر یہی مقصد اور نظریہ کارفرما ہے۔ انسان سے ہمدردی، اس کے لئے سوز و محبت ، اس کی گمراہی پر پریشانی، اور اپنی ذات کے لیے اللہ کی رضا اور اس کی جنت کا حصول، اس کا اصل محرک ہے۔

قرآن مجید نے روابط کے اس نظام کو اللہ کی سب سے نمایاں صفت یعنی رحمٰن کی صفت پر قائم کیا ہے۔ مختلف احادیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ بھی رحمت کا مظہر ہے۔ خود قرآن مجید میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنین کے لیے رؤف ورحیم ہیں، سراپا شفقت اور سراپا رحمت اور سارے عالمین کے لیے بھی رحمت ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت ، اور ایک انسان کے دوسرے انسانوں کے ساتھ رحمت کا تعلق کو، احادیث میں مختلف اسلوب میں بیان کیا ہے۔ مثلاً

مَنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ [حدیث]

"جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا"۔

یعنی جو لوگوں پر رحم نہیں کرتے اور رحمت وشفقت کا برتاؤ نہیں کرتے ، ان پر اللہ بھی رحم نہیں کرے گا۔ جو لوگوں پر رحمت کرنے والے ہیں ، اِن کے اوپر رحمٰن رحم کرے گا۔ اُن لوگوں پر تم رحم کرو جو زمین میں ہیں، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ اس طرح سے ایک نہیں بے شمار احادیث ہیں ، جن میں یہ فرمایا گیا ہے کہ انسانی روابط کو رحمٰن ورحیم ہونے کی صفت کے سانچے میں ڈھلنا چاہیے۔ مؤمنین کے لیے قرآن نے خود واضح کر دیا:

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ [الفتح:۴۸]

"کہ وہ ایک دوسرے کے لیے سراپا رحمت ہیں"۔

مسلمان، مسلمانوں کی جماعت، مسلمانوں کی امت ایک دوسرے کے لیے اور بنی نوع انسان کے لیے بھی سراپا رحمت ہیں۔ حدیث میں کہا گیا ہے کہ:

اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللهِ

"یعنی اللہ کی مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ اور اس کا خاندان ہیں"۔

اور اللہ کو اپنے کنبے اور خاندان میں وہی فرد سب سے بڑھ کر محبوب ہے جو اس کے خاندان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، احسان کرے اور نیکی کرے۔ یہ اس کی رحمت ہے کہ انسانوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا برتاؤ ہو۔

رحمت تعلق کا بنیادی سانچہ ہے۔ اگر ہم اس کو مزید تقسیم کرنا چاہیں تو دو اصولوں کے

تحت تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان دوسرے انسانوں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے، ان کی خدمت اور بھلائی کرے، ان کے کام آئے، ان کی حاجتیں پوری کرے، ان کے غم اور افکار کو دور کرے اور ان کے رنج کو ہلکا کرے۔ یہ مثبت پہلو ہے۔ دوسرا منفی پہلو ہے، وہ یہ کہ ایک انسان دوسرے انسان کو تکلیف اور ایذا نہ پہنچائے۔ انسانوں کے ساتھ تعلق کے جو بھی پہلو آئیں گے وہ اسی مثبت اور منفی، ان دو پہلوؤں سے مل کر عبارت ہوں گے۔

تمام معاشرتی روایات اور آداب کی تعلیمات میں یہی اصول کارفرما ہے کہ تمہاری کسی روش، کسی قول اور کسی عمل سے دوسرے انسان کو ایذا نہ پہنچے۔ اس میں حقوق کی ادائیگی بالکل بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ جو حقوق عائد کیے گئے ہیں، انہیں ادا کیا جائے، آدمی ظلم کی راہ پر نہ چلے اور کسی کا حق نہ مارے۔ کسی کی جان، مال، عزت و آبرو کو پامال نہ کیا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے آخری خطبۂ حج میں واضح طور پر فرمایا تھا کہ: آج سے تمہاری جانیں، مال اور عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ قرآنی، نبوی اور دینی تعلیمات، آداب، اخلاقیات اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک میں یہی فلسفہ کام کرتا ہے کہ انسان کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے دوسرے انسان کو ایذا پہنچے۔

انسانی تعلقات و روابط کے یہ بنیادی اصول ہیں۔ ان پر تفصیلی غور کی ضرورت ہے۔

پہلا مثبت اصول ''خدمت'' کا ہے۔ اس کے بارے میں معلوم کرنا چاہیے کہ دین کی کیا تعلیمات اور تقاضا کیا ہے، دین کا کیا مزاج ہے، جب کہ اس کا دوسرا حصہ حقوق کو ادا کرکے ظلم نہ کرنے اور ایذا نہ پہنچانے کا ہے۔ اس کی کیا اہمیت ہے؟ اس بارے میں قرآن و حدیث سے جو تعلیمات ملتی ہیں، ان کو جاننے کی ضرورت ہے۔

خدمت اور نفع کی حد تک قرآن مجید میں انسان کی خدمت اور اس کی حاجت روائی کو اللہ کے اوپر ایمان کے برابر نیک عمل ٹھہرایا ہے۔ بہت کم لوگوں کو اس بات کا احساس ہے کہ قرآن نے دراصل اس بات کا ایمان کے ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے۔ سورۃ الحاقہ میں ایک گروہ کا

ذکر ہے کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ کہا جائے گا اس کو پکڑو اور جکڑو اور جہنم میں ڈال دو۔ اس کی جو چارج شیٹ قرآن نقل کرتا ہے وہ یہ ہے:

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۔ [الحاقہ: ۳۴،۳۳]

"یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا"۔

یہ دو جرائم ہیں: ایک یہ کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ دوسرا یہ کہ وہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا۔ یعنی خود کھانا کھلانا تو خیر بہت ہی زیادہ بڑی بات ہے، صرف یہ کہ دوسروں کو کھانا کھلانے کی ترغیب تک نہیں دیتا تھا۔

قرآن مجید کی بے شمار آیات ایمان اور خدمت کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ متعلق کرتی ہیں۔ اِن کا رشتہ اتنا گہرا قائم کرتی ہیں کہ بعض غیر مسلموں نے جنہوں نے قرآن کا مطالعہ کیا یہاں تک کہہ دیا کہ قرآن مجید نے معاشرے کی اصلاح (Social Reform) کے لیے ایمان کی بنیاد پر معاشرتی تعلقات (Social Relation) کو بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

بہر حال غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مثبت و منفی، دو اصول بنتے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کی خدمت، اس کے ساتھ محبت اور اس کے لیے سوز و گداز، جیسا کہ میں نے کہا کہ دراصل اقامت دین، جہاد اور دعوت کی بنیاد یہی ہے۔ جب یہ بنیاد زندگی کے اندر رائج ہو گی، جاری وساری ہو گی، تب ہی انسانوں کے ساتھ وہ تعلق قائم ہو سکے گا کہ انسان اُس دعوت پر لبیک کہیں۔ جب تک یہ دعوت کتابوں میں لکھی رہے گی، اور مجرد الفاظ و دلائل کے ساتھ پیش کی جاتی رہے گی، اس وقت تک عام انسان کے لیے اس میں کوئی کشش نہ ہو گی۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت بھی اسی وقت مقبول ہوئی جب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور برتاؤ کو دیکھا۔ انسانوں کی خدمت اور ان کی مدد اور حاجت روائی، خوشی و غمی میں شرکت، اور ان کے ساتھ تعاون، جس طرح بھی ممکن ہو، یہ بڑی عظیم الشان نیکیوں میں سے ہے۔ نماز، روزہ، اور زکوۃ اور دیگر سب چیزوں سے زیادہ بڑی نیکی اس کو قرار دیا گیا ہے۔

دوسری طرف گناہوں میں سب سے بڑا گناہ، انسانوں کے حقوق مارنا اور انسانوں کو تکلیف پہنچانا ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہاں تک کہا کہ جس نے مسلمان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی، اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی۔ جس نے مسلمان کو خوش کر دیا اس نے مجھے خوش کر دیا، اور جس نے مجھے خوش کر دیا اس نے اللہ کو خوش کر دیا۔

گویا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کے دل کا، اس کی عزت کا، اس کی تکلیف اور اس کی پریشانی کا براہ راست رشتہ اپنی ذات کے ساتھ جوڑ کر، پھر اللہ کیساتھ جوڑا۔ تمام تر تعلیمات کو سمیٹ کر صرف ان دو ہی اصولوں کے تحت جمع کیا جا سکتا ہے، ایک مثبت اور ایک منفی۔

اگر آدمی کے بس میں مثبت نہ ہو، تو جس طرح حدیث میں کہا گیا ہے کہ کم از کم اپنے شر سے لوگوں کو بچاؤ... یہ کم سے کم ہے، جو تم کر سکتے ہو۔ اگر ہاتھ سے کما نہیں سکتے، دینے کے لئے دولت نہیں ہے، چلنے کے لیے سکت نہیں ہے، کسی حاجت مند کی مدد نہیں کر سکتے، تو کم سے کم اپنی زبان سے ایسی بات نہ کہو، اور اپنے ہاتھ سے ایسا کام نہ کرو جس سے شر پیدا ہو اور کسی کو تکلیف پہنچے۔ یہ نیکی اور صدقے کا کم سے کم درجہ ہے جو انسان کے بس میں ہے۔ کچھ بھی نہ ہو تو وہ کم سے کم یہ نیکی ضرور کر سکتا ہے۔

مثبت طور پر مدد، اور منفی طور پر ایذا رسانی سے پرہیز، یہ دراصل اسی رحمت الٰہی کی دو شاخیں ہیں جس کے اوپر قرآن نے اللہ کا تعلق بندوں کے ساتھ قائم کیا۔ الرحمٰن، وہ رحمٰن ہے جو بڑی رحمت کرنے والا ہے اور مسلسل رحمت کر رہا ہے۔ وہ رحیم بھی ہے اور اس نے چاہا ہے کہ اس کے بندے بھی آپس میں اسی رحمت کا مظاہرہ کریں۔ مؤمن ایک دوسرے کے ساتھ سراپا رحمت ہوں، "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" اور مؤمن اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں دوسرے انسانوں کے لئے سراپا رحمت ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین تھے۔ اہل ایمان کو انسانوں کے لیے بھی سراپا رحمت ہونا چاہیے۔

اللہ سے تعلق کے بعد دعوت کے لیے اقامت دین کے لیے، جہاد کے لیے، اور تنظیم

کے لیے، سب سے اہم چیز ہے۔ سب کاموں میں اس کی یہی اہمیت ہے جو ملحوظ رہنا ضروری ہے۔اس لیے کہ اللہ اگر یہ چاہے گا کہ اس کا نام لینے والے انسانوں کے اوپر حکمران بنیں تو وہ یہی چاہے گا کہ ایسے نام لینے والے ہوں جو بندوں کے اوپر خدا بننے اور ظالم بننے اور ان کے اوپر دست درازی کرنے والے نہ ہوں، بلکہ ایسے لوگ ہوں جو اِن سے محبت کرتے ہوں، ان کے خادم بنیں اور خادم بن کر خدمت کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اسی مقام پر پہنچ کر دنیا کی امامت وحکومت حاصل کی۔ جہاں وہ جاتے جنگ وجدل کے بغیر لوگ شہر کے دروازے کھول دیتے تھے۔ لوگوں کے دل فتح ہو جاتے تھے۔آپ جانتے ہیں کہ طارق بن زیاد چند سو آدمی لے کر اسپین گیا، پورا اسپین فتح کر لیا۔ محمد بن قاسم چند سو آدمی لے کر ہندوستان آیا، پورا سندھ فتح کر لیا۔ یہ لڑائی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ یہاں کے باشندے پہلے سے ہی اسلام کے لیے مسخر ہو چکے تھے، ان کے دل اس کے لیے کھل چکے تھے۔ عرب تاجروں کے ہند سے تعلقات بہت واضح اور صاف تھے اور اسپین بھی بہت دور نہیں تھا۔ مسلمان لیبیا، تیونس اور مراکش تک پہنچ چکے تھے اور لوگوں کے دل واقف تھے کہ یہ کیسے لوگ ہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک جگہ مسلمانوں کو جنگ کی وجہ سے اپنا شہر خالی کرنا پڑا، تو انہوں نے لوگوں سے جو جزیہ وصول کیا تھا وہ لوگوں کو واپس کر دیا۔ عیسائی بھی رونے لگے کہ ایسے لوگ تو ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے درمیان رہیں اور ہمارے اوپر حکومت کریں۔

لوگوں نے دل کھول کر دین کا استقبال کیا، وہ استعمار پسند نہیں تھے۔ جہاں گئے وہیں بس گئے، وہیں شادیاں کیں۔اس لیے کہ وہ لوگوں کے خادم تھے۔ان کے حکمران بھی لوگوں کی خدمت کرتے تھے۔ خود جھوٹا موٹا پہنتے تھے، روکھی سوکھی کھاتے تھے لیکن انسانوں کی خدمت کرتے تھے۔اس کام کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ یہ کردار اسلام کی انہی تعلیمات کے نتیجے میں ابھرا تھا۔

کامیابی کی راہ پر گامزن ہونے کے لیے جتنی ضرورت اس بات کی ہے کہ آدمی اپنی

عبادات پر توجہ دے، اپنے اخلاق پر توجہ دے، اللہ کی راہ میں اپنا جان ومال خرچ کرے، وہاں اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ آدمی کے اپنے کردار کے اندر یہ دو صفات بھی ہوں کہ وہ دوسروں کی خدمت کرے اور انہیں ایذا نہ پہنچائے۔ لوگ یہ محسوس کریں کہ یہ رحمت کے فرشتے ہیں جو ہمارے درمیان چل پھر رہے ہیں۔ ان کے غالب آنے سے اور اوپر آنے سے ہماری زندگی رحمت اور برکت کے ساتھ بھر جائے گی۔

رفاہی خدمات عبادت ہیں:

اسلام اور کتاب وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ مقام اور جگہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے جس سے لوگوں کو نفع پہنچے۔ ذاتی نفع کے مقابلہ میں اور ذاتی اظہار و عزت و وجاہت کے مقابلہ میں ایسے اداروں، ایسے مراکز اور اقدامات سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے، جس سے اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچے۔ اُن لوگوں کے بارے میں بڑی بڑی بشارتیں آئی ہیں، جو ایسے مراکز قائم کریں جن سے لوگوں کو جسمانی طبّی، رفاہی یا اس سے بڑھ کر دینی، و روحانی اور اخلاقی فائدہ پہنچے۔ اس کی اللہ کے یہاں بڑی قدر ہے اور یہ دین ہمارا دین ہے جس کے ذریعے اللہ نے ہمیں عزت بخشی ہے، یہ دین دین فطرت ہے اور دین انسانیت ہے۔ یہ دین عالمگیر اور ابدی ہے۔ یہ اپنی عمومیت کے لحاظ سے تمام بنی آدم پر حاوی اور مشتمل ہے اور اپنے دوام کے لحاظ سے یہ قیامت تک کے لیے ایک صدقہ جاریہ ہے۔ اس کو جس شکل میں بھی جو انسانوں کے لیے مفید ہو اگر کوئی قدم اٹھایا جائے، کوئی مرکز قائم کیا جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ اللہ کی مخلوق کے لئے مفید ہے۔ اور اس میں سب سے بڑا مرتبہ اور جو پہلا درجہ ہے وہ علم دین کے سکھانے کا ہے کہ عام لوگوں اور نئی نسل کو یہ معلوم ہو کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے۔ اس کی کیا صفات ہیں اور اس کے کیا احسانات ہے، اس کے کیا مطالبات ہیں، اور انسانوں کے کیا حقوق و فرائض ہیں اور صحیح طور پر زندگی گزارنے کا اصولی طریقہ کیا ہے، جس سے اس کو اللہ تعالیٰ کے یہاں شرف و رضا حاصل ہو اور دوسروں کو نفع

پہنچے۔ اس لئے اگر تاریخ پڑھی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رفاہ عام کا کام ہر دور میں جتنا اس امت اسلامیہ کے ہاتھ انجام پایا، اس کی کوئی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

مساجد کی تعمیر، مدارس کا قیام اور شفاخانے اور علاج کے بڑے بڑے مراکز کا قیام پھر اس کے علاوہ رسد پہنچانے کے جو ذرائع ہیں، وہ سب مسلمانوں نے اپنے دور میں اختیار کئے ہیں۔ ان سب کا یہاں تذکرہ کرنا تو مشکل ہے لہٰذا اس کے لیے تاریخ پڑھنے کی ضرورت ہے، کہ اس کے لیے مسلم حکمرانوں، اہل علم اور عام مسلمانوں نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہر دور میں اس کی کوشش کی ہے کہ کوئی ایسا کام کریں جس سے لوگوں کو نفع ہو۔ بہر حال اس سے عالم اسلام کی پوری تاریخ بھری پڑی ہے اور کوئی جگہ اس سے خالی نہیں۔

[خطبات علی میاں: ۴/۳۸۴]

مخلوق کی خدمت کے بغیر تصوف حاصل نہیں ہو سکتا:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ در حقیقت صوفی وہ ہے جو اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت کرے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو تکلیف سے بچایا جائے، اور اللہ کے بندوں کو راحت پہنچائی جائے، اس لئے حضرت نے فرمایا کہ دیکھو! میں تمہیں ابھی سے صوفی بنا رہا ہوں۔

آجکل لوگوں نے خانقاہوں میں رہنے والوں، ریاضتیں اور مجاہدے کرنے والوں، مراقبات اور کشف و کرامات کا نام "تصوف" رکھ دیا ہے، لیکن حضرت والا نے حقیقت واضح فرمادی ہے کہ اسکا نام "تصوف" نہیں۔ ؎

ز تسبیح و سجادہ و دلق نیست　　　طریقت بجز خدمت خلق نیست

یعنی محض تسبیح پڑھ لینے اور مصلّے پر بیٹھ جانے اور گدڑی پہن لینے کا نام تصوف نہیں، بلکہ لوگوں کو خیر پہنچایا جائے، مخلوق کی خدمت کے بغیر تصوف حاصل نہیں ہو سکتا۔

[اسلام اور ہماری زندگی جلد: ۴ ص: ۲۲۷]

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی خدمت خلق کا بہترین نمونہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام خدمتِ خلق کا بہترین نمونہ ہے۔اس کے علاوہ آپ ہر آدمی کی خدمت کے لیے ہمہ وقت کمربستہ رہتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اس پر شاھد ہے۔

صحابی سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میرا شروع سے بتوں پر یقین نہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ کام غلط ہے۔ پھر میں نے سنا کہ ایک آدمی مکہ میں ایک اور چیز کی دعوت دے رہا ہے۔۔۔ میں نے سواری کا کجاوہ کسا، اور مکہ پہنچ گیا۔ یہ ایسازمانہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پتا چلنا اور معلوم کرنا بھی مشکل کام تھا۔ میں نے پتہ کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور پوچھا آپ کیا ہیں؟۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کا نبی ہوں"۔ میں نے پوچھا: "نبی کیا ہوتا ہے"؟۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ میں نے پوچھا: "اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز کے ساتھ بھیجا ہے"؟ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صِلَةُ الْأَرْحَامِ یعنی قرابت داری کے رشتے قائم کرنے کے لیے، اور بتوں اور شرک سے بچنے کے لیے، اور صرف ایک اللہ کی بندگی کرنے کے لیے"۔

یہاں بھی ترتیب پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آگئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی جو دعوت پیش کی، اللہ کے احکام اور پیغام پیش کیا، اور اس میں سب سے پہلے صِلَةُ الْأَرْحَامِ کہا یہ صلہ رحمی (قرابت داری کے رشتے قائم کرنا) بھی خدمت خلق ہے۔

سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے بادشاہ حبشہ نجاشی نے پوچھا کہ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہیں کیا تعلیم دی گئی ہے؟ یہ بڑا نازک موقع تھا۔ ان کی جان بھی خطرے میں تھی کیونکہ کفارِ قریش کا وفد دربار میں موجود تھا، ان کا مطالبہ تھا کہ یہ ہمارے بھاگے ہوئے لوگ ہیں آپ ان کو واپس کر دیں۔ اس صورت حال میں سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے کہا: اے بادشاہ! ہم پہلے بتوں کی پوجا کرتے تھے، جھوٹ بولتے تھے، مردار کھاتے تھے اور ظلم ڈھاتے تھے،

یتیموں، بیواؤں پر ظلم کرتے تھے پھر اللہ نے ہم پر کرم کیا اور ہم میں اپنا رسول بھیجا، اُس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا اور کہا کہ پتھروں کو پوجنا چھوڑ دو، سچ بولو، ہمسایوں کی مدد کرو، اور نیک راہ اختیار کرو۔ اب ہم بیواؤں کی خبر گیری کرتے ہیں، یتیموں کی خدمت کرتے ہیں اور اللہ کی بندگی بھی کرتے ہیں۔

بین الاقوامی سطح اور پیمانے پر اسلام کا یہ پہلا تعارف ہو رہا تھا لیکن یہاں بھی اللہ کی بندگی اور انسانوں کی خدمت دونوں باتیں ساتھ ساتھ ذکر کی گئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک نئی اور مکمل اسلامی ریاست اور ایک نئی تہذیب قائم کرنے کے لیے مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا:

اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ وَادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِالسَّلَامِ۔

یہاں چار باتیں فرمائی گئی ہیں: پہلی: سلام پھیلاؤ یعنی اپنی زبان اور حسن سلوک سے سلامتی پھیلاؤ، یہ بھی خدمت خلق کی ایک صورت ہے۔ دوسری یہ کہ ضرورت مند بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ تیسری یہ کہ جب لوگ سوتے ہوں تو نماز تہجد پڑھو۔ اور چوتھی یہ کہ جنت میں سیدھے سیدھے داخل ہو جاؤ۔

گویا جو نئی تہذیب، ریاست اور معاشرہ بننے والا تھا، اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی ہدایت کے طور پر یہ تین باتیں کہیں، اور جنت کے داخلے کی بشارت بھی ان ہی تین چیزوں کے ساتھ وابستہ کی۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اس کے ساتھ چلنا، مسجد نبوی میں ایک مہینہ اعتکاف بیٹھنے سے بہتر ہے، اور جو شخص اپنے غصے کو پی جائے جسے نافذ کرنے پر وہ قادر ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دل کو امیدوں سے بھر دے گا۔ یعنی وہ میدان حشر میں رحمت و مغفرت الٰہی سے ناامید نہ ہو گا اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کی کسی حاجت کو پورا کرنے کے لئے اس کے ساتھ چل کر جاتا ہے۔ تو جس دن بہت سے لوگوں کے قدم (پل صراط

پر سے) پھسل جائیں گے اللہ تعالیٰ اس کے قدم کو ثابت رکھے گا۔ اور بد خلقی (نیک) عمل کو اسی طرح برباد کر دیتی ہے جس طرح کہ سِرکہ شہد کو برباد کر دیتا ہے۔

[الطبرانی الکبیر الصحیحہ :۹۰۶]

ایک دفعہ ایک مہمان آیا، رات کو گھر میں صرف بکری کا دودھ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان کو دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے رات فاقے سے گزاری حالانکہ اس سے پچھلی شب بھی فاقے ہی میں گزری تھی۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے ولیمے کے لئے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ وہ جا کر لے آئے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اس آٹے کے سوا کھانے کو کچھ نہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بوقت ضرورت اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرنا مجھے رمضان کے روزے رکھنے اور مسجد میں پورا مہینہ اعتکاف میں بیٹھنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔

دوسری جگہ فرمایا۔

"بیواؤں مسکینوں کی مدد میں کوشاں رہنے والا ایسا ہے جیسا اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہے یا رات بھر کا عبادت گزار اور دن بھر کا روزہ دار ہے"۔ [حدیث]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور خدمت خلق کے بارے میں مختلف موقعوں پر ارشاد فرمایا:

۱۔ تم مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کرنے، محبت کرنے اور شفقت سے پیش آنے میں ایک انسانی جسم کی طرح دیکھو گے کہ اس کے ایک عضو میں بھی تکلیف ہو تو بدن کے سارے اعضاء بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ [صحیح مسلم]

۲۔ جو شخص اپنے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے، اللہ اس کی ضرورت پوری کرے گا، جو کسی مسلم بھائی کی تنگی دور کرے گا۔ تو اللہ اس کے بدلے

میں قیامت میں اس کی تنگی دور کرے گا۔ [ابو داؤد]

۳۔ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيْهِ۔ [ابو داؤد]

"جو شخص مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا تو اللہ قیامت کے دن اس کی تکلیفوں میں سے کسی تکلیف کو دور کرے گا۔ اور جو کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی فرمائے گا۔ جو کوئی کسی مسلمان پر پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد میں رہتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔

۴۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ، مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهٖ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ [متفق علیہ]

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو بے سہارا چھوڑے۔ جو شخص اپنے بھائی کی کوئی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتیں پوری فرماتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی کسی تکلیف کو دور کرتا ہے تو اللہ اس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کسی تکلیف کو دور فرمائے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ روز قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے"۔

لہٰذا انسان کا اپنے بھائی کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کے ساتھ وہی معاملہ ہونا چاہیے۔ خواہ وہ مسلمان اجنبی ہو۔ اور بظاہر اس کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہ ہو۔ بظاہر اس

کے ساتھ دوستی کا کوئی تعلق نہ ہو۔ لیکن تم اس کو اپنا بھائی سمجھو۔

لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ

"نہ مسلمان مسلمان پر ظلم کرے گا اور اس کو بے یار ومددگار چھوڑے گا"۔

یعنی صرف یہ نہیں کہ اس پر ظلم نہیں کرے گا بلکہ اس کو بے یار ومددگار بھی نہ چھوڑے گا۔ اگر مسلمان کسی مشکل میں مبتلا ہے یا کسی پریشانی کے اندر مبتلا ہے، اور اس کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے تو کوئی مسلمان اس کو بے یار ومددگار نہیں چھوڑے گا۔ وہ یہ نہیں سوچے گا کہ جو کچھ پیش آرہا ہے وہ اس کو پیش آرہا ہے۔ میرا اس سے کیا تعلق؟ میرا تو کچھ نہیں بگڑ رہا ہے اور یہ سوچ کر الگ ہو جائے۔ یہ کام مسلمان کا نہیں ہے، بلکہ مسلمان کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے مسلمان مصیبت ٹوٹتے ہوئے دیکھ رہا ہے، یا کسی کو مشکل اور پریشانی میں گرفتار پا رہا ہے۔ تو دوسرے مسلمان کو چاہیے کہ حتی الامکان اس کی پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اور یہ نہ سوچے کہ اگر میں اس کے کام میں لگ گیا تو میرا وقت ضائع ہو جائے گا۔ یا میں پھنس جاؤں گا۔

جس دور سے ہم گزر رہے ہیں۔ یہ ایسا دور ہے کہ اس میں انسانیت کی قدریں تبدیل ہو گئیں ہیں۔ انسان انسان نہیں رہا۔ ایک وقت وہ تھا کہ اگر کسی انسان کو چلتے ہوئے ٹھوکر بھی لگ جاتی اور وہ گر پڑتا تو دوسرا انسان اس کو اٹھانے کے لئے اور کھڑا کرنے کے لئے اور سہارا دینے کے لئے آگے بڑھتا۔ اگر سڑک پر کوئی حادثہ پیش آجاتا تو ہر انسان آگے بڑھ کر اس کی مدد کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ آج کل صورت حال بدل گئی ہے، اگر ایسا کوئی واقعہ بھی آجائے تو کوئی اسے دیکھنے والا یا تعاون کرنے والا نہیں ملتا۔ اس کے باوجود لوگوں کو اپنے بارے میں مہذب اور شائستہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ اسلام تو بہت دور کی چیز ہے، لیکن ایسے موقع پر انسانیت کا تقاضا ہے کہ آدمی اتر کر دیکھ لے کہ اس کو کیا تکلیف پہنچی ہے، اور اس کی جتنی مدد کر سکتا ہے کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمادیا کہ ایک مسلمان یہ کام نہیں کر سکتا

کہ وہ دوسرے مسلمان کو اس طرح بے یارومددگا چھوڑ کر چلا جائے، بلکہ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اگر وہ دوسرے مسلمان کو کسی مصیبت میں گرفتار پائے یا کسی پریشانی یا مشکل میں دیکھے تو حتی الامکان اس کی اس پریشانی اور مصیبت کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللهُ فِيْ حَاجَتِهٖ۔

جو شخص اپنے کسی بھائی کی کسی ضرورت کے پورا کرنے میں لگا ہوا ہو۔ اس کا کوئی کام کر رہا ہو۔ تو جب تک وہ اپنے بھائی کا کام کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے کام بناتا رہے گا اور اس کی حاجتیں پوری کرتا رہے گے۔

وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی تکلیف یا مشقت کی بات دور کرے۔ یعنی وہ کوئی ایسا کام کرے جس سے کسی مسلمان کی مشکل آسان ہو جائے۔ اور اس کی دشواری دور ہو جائے تو اس دور کرنے والے پر قیامت کے روز جو سختیاں آنے والی تھیں، اللہ تعالیٰ ان سختیوں میں سے ایک سختی کو اس سختی کے مقابلے میں دور فرمادیتے ہیں۔

وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے۔ مثلاً کسی مسلمان کا ایک عیب کا پتہ چل گیا کہ اس کے اندر فلاں عیب ہے یا فلاں خرابی ہے، یا فلاں ذاتی گناہ کے اندر مبتلا ہے۔ اب یہ شخص اس عیب کی پردہ پوشی کرے، اور دوسروں تک اس کو نہ پہنچائے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی کرے گا اور اس کے گناہوں کو چھپا دے گا۔ یہ بڑی جامع حدیث ہے اور متعدد جملوں پر مشتمل ہے۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا سامان تیار کیا تو اس کو اتنا اجر ملے گا گویا کہ وہ خود جہاد میں شریک ہوا اور جس نے مجاہد کے جانے کے بعد اس کے گھر والوں کی خبر گیری کی تو وہ بھی اُس کے ساتھ جہاد

کے اجر میں شامل ہوا۔

۵۔ جو شخص خدا اور روزِ جزا پر یقین رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے اور اس کو ایذا نہ دے۔ [صحیح بخاری]

۶۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کر رات کو بے فکری سے سو جائے کہ اس کے برابر رہنے والا پڑوسی بھوکا ہو اور اِس آدمی کو اُس کے بھوکے ہونے کی خبر تک نہ ہو۔ [مسند بزار، معجم کبیر للطبرانی۔ مجمع الزوائد]

۷۔ سیدنا معاذ بن حیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑوسی کے حقوق کیا ہیں۔۔۔؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"پڑوسی کے حقوق یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو، اور اگر انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ، (اور تدفین کے کاموں میں ہاتھ بٹایا کرو اور اگر وہ اپنی ضرورت کے لیے) قرض مانگے تو (حسبِ استطاعت) اس کو قرض دو اور اگر وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو، اور اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اس کو مبارک باد دو، اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو، اور اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور (جب تمہارے گھر کوئی اچھا کھانا پکے تو اِس کی کوشش کرو کہ) تمہاری ہانڈی کی مہک اس کے لیے (اور اس کے بچوں کے لیے) باعث ایذا نہ ہو) یعنی اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک اس کے گھر تک نہ جائے) اِلّا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کچھ اس کے گھر بھی بھیج دو (اس صورت میں کھانے کی مہک اس کے گھر تک جانے میں کوئی مضائقہ نہیں)"

[طبرانی۔ مجمع الزوائد]

۸۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ: ”جب تم میں سے کسی کے ہاں سالن کی ہانڈی پکے تو اُسے چاہے کہ شوربہ زیادہ کرلے، پھر اس میں سے کچھ پڑوسی کو بھی بھیج دے۔“

[معجم اوسط للطبرانی، مجمع الزوائد]

مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے کے وقت اپنے غریب پڑوسیوں کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے،اس کو اگر سالن نہیں دے سکتے تو کم از کم اپنے سالن کا شوربہ ہی اس کو دے دو تاکہ وہ بھی اپنا پیٹ بھر سکے۔اس بات سے ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے بندوں کی خدمت کتنا اہم کام ہے، جس کو قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مقام عطا فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندے سے پوچھے گا۔۔کہ میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ مختلف احادیث میں مختلف الفاظ ہیں، ایک جگہ آتا ہے کہ میں بے لباس تھا تو نے مجھے لباس نہیں پہنایا، میں بیمار تھا، تو نے میری عیادت نہیں کی۔۔۔۔اور ہر بات پر بندہ حیران ہو جائے گا کہ اے رب العالمین تو کیسے بھوکا ہو سکتا ہے ؟تو کیسے پیاسا ہو سکتا ہے؟ تو کیسے بے لباس ہو سکتا ہے؟اور تو کیسے بیمار ہو سکتا ہے؟اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ نہیں، میرا فلاں بندہ بھوکا تھا، میرا فلاں بندہ پیاسا تھا، میرے فلاں بندے کے پاس پہننے کے لیے کپڑے نہیں تھے، میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور اگر تو اس کو کھلاتا پلاتا، عیادت کرتا تو آج اس کو یہاں پاتا۔ دراصل اللہ کی بندگی کا اصل راستہ یہی خدمت خلق ہے!

بہر حال خدمت خلق اخلاق کی وہ قسم ہے جو دوسرے بندوں کی فیض رسانی سے متعلق ہے اس کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ والدین اولاد اور زوجین کے حقوق سے لے کر یتیموں، مسکینوں اور بیماروں پڑوسیوں اور حاجت مندوں کے حقوق تک اس میں آجاتے ہیں۔

الغرض ضرورت مندوں کی مدد، اللہ کی مخلوق پر رحمت وشفقت، حاجت مندوں کی حاجت براری اور دیگر رفاہی کام اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہیں۔ صلہ رحمی، پڑوسیوں

کے ساتھ حسن سلوک، یتیموں، بیواؤں اور خستہ حال لوگوں کی خبر گیری ایمان کی شاخوں میں سے ہیں۔

حیوانات پر رحم:

یہ تو انسانوں کے حقوق کا بیان تھا، جبکہ اسلام نے ہم پر حیوانات کا حق بھی لازم قرار دیا ہے اور اس کی بھی تاکید کی ہے۔ کیونکہ حیوانات بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اس لئے حتی الامکان انہیں ایذا دینے سے احتراز کرنا چاہیے۔ سفر میں جانور کے بھی حقوق ہوتے ہیں اس لئے اسے بھی راحت و آرام پہنچانا چاہیے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تم خوشحالی کے زمانے میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین سے اُن کا حصہ دو اور جب تم قحط کے زمانے میں سفر کرو تو اُن کو تیز چلاؤ“۔

مطلب یہ ہے کہ جب سر سبزی کا زمانہ ہو اور زمین میں ہر طرف گھاس اگی ہوئی ہو تو سفر میں اونٹوں کو چرنے کا موقع دو۔ اور جب قحط سالی ہو اور زمین پر گھاس موجود نہ ہو تو سواریوں کو تیز چلاؤ تاکہ جلد منزل پر پہنچ سکیں اور راستے میں یہ جانور بھوک پیاس کی مصیبت سے بچ جائیں۔

اسی طرح جانور کے ناحق ذبح نہیں کرنا چاہیے، کسی چڑیا یا جانور کو باندھ کر تیر نہیں برسانے چاہیے۔ آج کل جو لوگ مرغ بازی اور بٹیر بازی کرتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو آپس میں لڑانے سے بھی منع فرمایا ہے۔

جانوروں پر رحم کرنے سے مغفرت ہو گئی:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فاحشہ عورت کی مغفرت کی وجہ یہ بتائی کہ اُس نے ایک پیاسا کتّا دیکھا جو پیاس کی شدت سے گیلی زمین چاٹ رہا تھا تو وہ عورت سمجھ گئیں کہ کتّا پیاسا ہے۔ لہٰذا

عورت نے کتے کو پانی پلانے کا ارادہ کیا۔ لیکن پانی پلانے کے لیے اس عورت کے پاس کوئی چیز نہیں تھی، کنوئیں کے اندر اپنے دوپٹے کے ذریعہ سے جوتا (کھسہ) اتارا اور جوتے میں جتنا پانی آیا تو اُس نے کتے کو پلا دیا۔ اس سے اللہ پاک نے اس فاسقہ اور فاجرہ عورت کی مغفرت فرمادی۔

[صحیح بخاری و صحیح مسلم]

مخلوق خدا کا خیال رکھنے پر ثواب:

ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص درخت لگاتا ہے یا کنواں کھدواتا ہے یا غلہ نباتات وغیرہ بوتا ہے کہ وہ کسی طریقے سے پھل آور ہو جائے اور اس نیت سے درخت لگاتا ہے کہ کوئی سایہ میں بیٹھے جائے گا۔ اس نیت سے کنواں کھدوایا کہ پرندے آکر پانی پی لیں گے، جانور پی لیں گے تو جو بھی پرندے آکر پانی پیتے رہیں گے، جانور پیتے رہیں گے یا اس کی فصل پر پرندے اپنی چونچ سے دانہ لیتے رہیں گے، اپنا گزارہ کرتے رہیں گے، تو سب اس کے نامہ اعمال میں ثواب لکھا جاتا رہے گا۔ [متفق علیہ]

کتّے کو پانی پلانے سے مغفرت ہو گئی:

ایک اور روایت میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس بندے نے کتے کو پانی پلایا وہ بندہ بھی فاسق فاجر تھا، اللہ نے اس بندے کی مغفرت فرمادی، جنگل میں سفر کر رہا تھا، خود سفر کی وجہ سے پیاس سے نڈھال تھا، یہ شخص کنوئیں میں اتر گیا اور جب پانی پی کر باہر آیا تو کتے کو دیکھا کہ وہ پانی کی وجہ سے بیہوش ہونے والا ہے، سخت پیاسا ہے، تو اس نے سوچا کہ جس طرح مجھے پیاس لگی ہوئی تھی، ایسی ہی اس کتے کو بھی لگی ہوئی ہے۔ پھر نیچے اترا اور اپنے جوتے کے ذریعے سے پانی اوپر لا کر کتے کو پلا دیا، اللہ نے اس کی مغفرت فرمادی۔

جانوروں کا خیال کرنے کی وجہ سے انسان کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس خیال سے کہ یہ بھی اللہ کی مخلوق ہے، اس کو کھانا کھلایا، پانی پلایا، آرام مہیا کیا، اس سے بھی مغفرت ہو گئی۔

جانور کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے جہنم کا عذاب:

ایک حدیث میں وعید آئی کہ ایک عورت جہنم میں جائے گی، سزا کی مستحق ہو گی کہ اُس نے بلّی کو اپنے پاس باندھے رکھا اور نہ پانی پلایا، نہ کھانا کھلایا اور نہ اس کو آزاد کیا، وہ بلّی وہیں مر گئی، فرمایا کہ یہ عورت جہنمی ہے، بلا وجہ اس نے اللہ کی ایک مخلوق کو مار دیا ہے۔ اسی طرح حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چیونٹیوں کو بلا وجہ مارنے سے منع کیا ہے۔[متفق علیہ]

عام مخلوقات مثلاً کتے، بلی، چرند، پرند کو پانی پلانے سے مغفرت ہو سکتی ہے تو انسان تو اشرف المخلوقات ہے اس کو پانی پلانا، کھانا کھلانا، تو کہیں زیادہ ثواب کا کام ہے، اور مغفرت ہونے کا سبب ہے۔

ایصال ثواب کے لیے پانی پلانے کی ترغیب:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے، عرض کیا کہ میری والدہ دنیا سے رخصت ہو گئیں، میں ایسا کونسا عمل کروں جس سے میری والدہ کو ثواب پہنچتا رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والدہ کے ثواب کے لیے پیاسوں کو پانی پلایا کرو، کنواں کھدوادو، کوئی چشمہ کھدادو، ایسا کوئی انتظام کر لو جس سے لوگ پانی پئیں، خود بخود ثواب ہوتا رہے گا۔

نبی کریم ﷺ اور خدمت خلق:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زندگی بھر یہ معمول رہا کہ جب بھی کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہوتا کہ اس کو فلاں چیز کی ضرورت ہے یا یہ مشکل میں گرفتار ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے چین ہو جاتے اور جب تک اپنی استطاعت کے مطابق مدد کرنے کی کوشش نہ فرما لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چین نہ آتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر خدمت خلق کے بے شمار نمونے پیش کئے

ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کا کام خندہ پیشانی سے کرتے تھے۔ دوسروں کا سودا سلف بازار سے لادیا کرتے۔ بے کسوں اور ضعیف لوگوں کے گھروں پر جا کر کہتے کہ اگر کوئی کام ہو تو میں کردوں، یہاں تک کہ جانوروں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت محبت کرتے تھے، ان کی بھوک پیاس اور آرام کا بہت خیال رکھتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی دعوت میں رفاہی کاموں کی طرف خصوصی توجہ دی گئی تھی بلکہ یہ ایسی چیز تھی جو نبوت سے پہلے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرشت میں شامل تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز تھی، چنانچہ پہلی بار وحی کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر خطرہ محسوس ہوا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا:

لَا یُخْزِیْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِئُ الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ۔

واللہ! اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کی طرف سے نازل شدہ مصائب پر لوگوں کی اعانت کرتے ہیں۔''

ایک سفر میں منزل پر پہنچ کر کھانا پکانے کی تیاریاں ہونے لگیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ذمہ داریاں بھانٹ لیں ۔ کسی نے پانی لانے کی خدمت اپنے ذمہ لے لی، کسی نے آٹا لانے کی، کسی نے کھانا پکانے کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے لیے جنگل سے لکڑیاں اکھٹی کرنے کی خدمت اپنے ذمہ خود لے لی اور اسے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نہ چاہنے کے باوجود) سرانجام بھی دیا۔

مسجد نبوی کی تعمیر میں سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین مسجد کی تعمیر میں بھرپور

حصہ لے رہے تھے توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ کام کیا۔ غزوۂ خندق میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ خندق کی کھدائی میں حصہ لیا۔

حبشہ سے کچھ مہمان آئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین چاہتے تھے کہ ان کی خدمت کریں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھوں سے ان کی خدمت کی اور فرمایا کہ ان لوگوں نے میرے دوستوں (مہاجرین حبشہ) کی خدمت کی ہے۔ اس لئے میں ان کی خدمت کرونگا۔

صحیح مسلم میں آتا ہے کہ:

"مدینہ کی معذور اور غریب عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں، اپنا مدعا عرض کرتیں توآپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ساتھ چل پڑتے اور کام کرکے آتے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے گھروں میں جا کر ان کی بکریوں کا دودھ نکال دیتے حتیٰ کہ ایک بڑھیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے میں پیش پیش رہتی، لیکن جب وہ بیمار ہوئی توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے گھر کی تمام خدمت اپنے ذمہ لے لی۔

ابن عساکر نے لکھا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں فارغ بیٹھے نظر نہ آتے۔ کبھی کسی بیوہ کا کپڑا سیتے دکھائی دیتے اور یا کسی غریب یتیم کی جوتی کی مرمت میں مصروف ہوتے۔ [مختصر تاریخ دمشق]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدمت خلق کا کتنا زیادہ خیال تھا؟ اس کا اندازہ ہم اس واقعہ سے بھی کر سکتے ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولادوں میں سے صرف ایک سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زندہ بچی تھیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکلوتی بیٹی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد لاڈلی بیٹی تھیں۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرط محبت سے کھڑے ہو

جاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ جب کسی جگہ سے گھر واپس لوٹتے تو خصوصا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جا کر اُن سے ملتے۔ جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا یہ حال تھا کہ وہاں کوئی خادمہ نہ تھی، آپ رضی اللہ عنہا خود چکی پر آٹا پیستیں، مشکیزہ میں بھر بھر کر پانی لاتیں، ان کی ہتھیلیاں گھس گئی تھیں اور سینہ پر نیل پڑ گئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا اپنے بابا جان کے پاس گئیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کہیں مجھے ایک کنیز مل جائے تاکہ گھر کے کام کاج میں وہ میری تعاون کر سکے۔ آپ رضی اللہ عنہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور مارے حیا کے ان سے کہہ نہ سکیں اور واپس لوٹ گئیں تو بعد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف سے درخواست دربار نبوت کی خدمت میں پیش کی کہ فلاں جنگ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز ان کو دے دی جائے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابھی تک اصحاب صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک اُن کا بندوبست نہیں ہوتا میں اور کسی طرف توجہ نہیں دے سکتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی لاڈلی اور عزیز از جان بیٹی کی تکلیف سے زیادہ اور لوگوں کی ضرورتوں کا احساس تھا۔ یہی خدمت خلق کا جذبہ ہے جو اپنی ضرورت کو مار کر دوسروں کی ضرورت کو پورا کرے۔

ایک اور مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کسی سلسلہ میں مدد کی درخواست کی تو آپ نے جواب دیا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے لاچار ہوں۔ الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی چھوٹوں، بڑوں، غریبوں، محتاجوں، ناداروں اور مستحقین کی خدمت کرتے ہوئے گزری۔

خلفائے راشدینؓ اور خدمت خلق:

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے تو سب سے پہلے سیدنا محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ایک روشن مینار کی طرح نظر آتی ہے، ان کے بعد خلفائے راشدین کے اعمال صالحہ ہمارے لئے قابل تقلید ہیں۔ خدمت خلق کے سلسلہ میں ان چند مثالوں سے خلفائے

راشدین کا عمل واضح ہوتا ہے۔ خلفائے راشدین کا کہنا تھا کہ گورنروں، کمشنروں، ڈپٹی کمشنروں (عمال) کو اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ وہ عوام کی خدمت کریں اور ان کو دین اسلام کی تعلیم دیں۔

انہوں نے یہ جذبہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔ پہلے خلیفہ راشد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت سے پہلے لوگوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو ایک لڑکی آپ رضی اللہ عنہم کے پاس آئی اور تأسف سے بولی: آپ امیر المومنین بن گئے ہیں، اب ہماری بکریاں کون دوہا کرے گا؟ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انکساری سے کہا "خدا کی قسم! میں ہی یہ خدمت بجا لاؤں گا۔ میری خلافت، اس خدمت کی انجام دہی میں رکاوٹ نہ بنے گی" دور خلافت ہی میں آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کا سودا سلف لاتے، رات کے اندھیرے میں بے کس عورتوں کے گھروں کا کوڑا گھر سے اٹھا کر باہر پھینکتے۔ ذرا سوچیے ان کا جذبہ خدمت خلق کتنا مضبوط و توانا تھا کہ ایک اعلیٰ عہدہ پر پہنچ کر بھی آپ نے اس بات کی پرواہ نہ کی کہ اس سے میری شان میں فرق آئے گا۔

خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں مجاہدین کی محاذ جنگ سے آئی ہوئی چٹھیاں خود ان کے گھروں پر جا کر تقسیم کرکے آتے تھے۔ وہ اکثر ان کے گھروں کی چوکھٹ پر بیٹھ کر ان کے گھر والوں کے خط بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی اس کام میں اپنی ہتک محسوس نہ کی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ کی گلیوں کا گشت کیا کرتے تھے تاکہ وہ خود معلوم کر سکیں کہ رعایا میں کسی کو کوئی مسئلہ درپیش تو نہیں، کسی کو مدد درکار تو نہیں، اگر کسی کو کوئی پریشانی ہو تو وہ اس کی مدد کر سکیں۔ اس دوران ایک گھر سے بچوں کے رونے کی آوازیں سُنیں۔ آپ نے بچوں کے رونے کی وجہ پوچھی تو عورت نے بتایا کہ یہ بچے بھوک سے رو رہے ہیں اور ان کے کھانے کے لیے گھر میں کچھ نہیں ہے، میں نے خالی ہنڈیا میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھدی ہے کہ بچے بہلے رہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اسی وقت بیت المال گئے اور خورد و نوش کا

سامان لا کر دیا۔ جب آپ سامان اٹھا کر لا رہے تھے تو غلام نے کہا، لایئے سامان میں اٹھالوں، توآپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا قیامت کے روز میرا بوجھ کون اٹھائے گا؟

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو امیر المومنین کی بجائے اجیر المومنین (مومنوں کا مزدور) کہا کرتے تھے۔

ایک دفعہ عراق کا ایک وفد آپ رضی اللہ عنہ سے ملنے آیا۔ پتہ چلا کہ وہ شہر سے باہر صحرا میں ظہر کے بعد شہر سے باہر صحرا میں بیت المال کے سرکاری اونٹوں کو مالش کرنے جاتے ہیں، وفد وہاں چلا گیا، کیا دیکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ قمیص اور چادر کے بغیر صرف ایک دھوتی باندھ کر اونٹوں کی مالش کر رہے ہیں۔

وفد میں سے کسی نے عرض کیا امیر المؤمنین یہ کام کسی غلام سے لیتے۔ آپ نے فرمایا: مجھ سے بڑھ کر غلام کون ہوگا۔

خلیفہ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ رفاہ عامہ کے کاموں میں اپنا مال بے دریغ خرچ کرتے تھے، مدینہ منورہ میں ایک کنواں میٹھے پانی کا خرید کر اللہ کی راہ میں وقف کر دیا اور ہر جمعے کے دن ایک غلام آزاد کرتے۔

خلیفہ رابع سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی خدمت خلق کے جذبے سے سرشار تھے۔ کبھی کوئی سوالی آپ کے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے:

"جنت اس شخص کی مشتاق رہتی ہے جو اپنے مومن بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے۔"

کنز العمال کی ایک حدیث ہے کہ اللہ جل شانہ کو سب سے زیادہ یہ عمل پسند ہے کہ کسی مسکین کو روٹی کھلائی جائے۔ مسکین وہ ہے جس کا معاشی سہارا نہ ہو مثلاً بیوہ عورت، یتیم، مسکین۔ مسکین کی حاجت پورا کرنا ثواب عظیم ہے۔ ایک اور حدیث سے واضح ہوتا ہے بیوہ عورت اور مسکین کی ضرورت میں کوشش کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

یورپ اس وقت (بزعمِ خود) انسانیت کی خدمت کا پروپیگنڈا کرنے کے نتیجے میں دنیا والوں کی نظر میں ایک مقام حاصل کر چکا ہے، جبکہ حقیقت میں اُن سے زیادہ خونی درندے اور شیطان صفت لوگ کرۂ ارض پر موجود نہیں۔ خدمتِ خلق کی جتنی بھی شکلیں یورپ میں مروج ہیں وہ تمام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، اموی اور عباسی دور کی یادیں ہیں۔

خدمت خلق کا جامع تصور:

خدمت خلق کا تصور بہت وسیع اور جامع ہے۔ اس کے لیے کسی دفتر یا شعبے کا قیام بھی ضروری نہیں ہے۔ اس کی صرف یہی ایک صورت نہیں ہے کہ گاڑیوں میں ڈاکٹر دوائیں لے کر یا کسی مقام پر بیٹھ کر مریضوں کا معائنہ کریں، یا پھر مریضوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا جائے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ میت کو قبرستان تک پہنچا دیا جائے یا غریب غرباء سے درخواستیں وصول کرکے ان کی مالی اعانت کی جائے۔

اگرچہ یہ چیزیں اس کے اندر شامل ہو سکتی ہیں، لیکن یہ خدمت خلق کے اس جامع تصور کا ایک بڑا مختصر اور محدود حصہ ہے جس کی تعلیم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دی ہے، تصور اس سے کہیں زیادہ جامع اور وسیع ہے۔

خدمت خلق۔۔۔۔ یہ لفظ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان معنوں میں استعمال نہیں کیا کہ انسانوں کی خدمت کی جائے بلکہ خلق کے اندر انسان بھی شامل ہیں اور جانور بھی۔ خلق میں تو خدا کی ہر مخلوق شامل ہے۔ ان کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کی ہدایات قرآن مجید میں بار بار آئی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ایک بڑا حصہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خدمت خلق کو اپنے دین میں اور اپنی تعلیمات میں کیا مقام دیا ہے، تو یہ بات خود بخود ہم پر واضح ہو جائے گی کہ خدمت خلق کا کام صرف شعبے قائم کرنے یا قربانی کی کھالیں جمع کرنے

یا شفا خانے بنانے سے پورا نہیں ہو سکتا۔۔۔اس لیے کہ جس کام کو اتنا عظیم الشان مقام دیا گیا ہو، وہ صرف اتنی سی بات تک محدود نہیں ہو سکتا!

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق کے لیے کچھ کرنے کا ذکر ایمان کے بعد سب سے پہلے کیا جاتا ہے۔ مثلاً جہاں ایمان کا ذکر آئے گا، وہاں اللہ کی راہ میں دینے کا بھی ذکر ہو گا۔ دینے کے لیے کہیں "یُنْفِقُوْنَ" کا لفظ آئے گا کہ وہ خرچ کرتے ہیں۔ کہیں دینے کا لفظ آئے گا "اٰتٰی" یعنی اس نے دیا۔ اور کہیں اس دینے کی جو بہت ساری صورتیں ہیں، ان کا ذکر آئے گا۔ مثلاً کھانا کھلانا، کھانا کھلانے کی ترغیب دینا اور مل جل کر کھانا کھانا وغیرہ۔

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اس کا ذکر ایمان کے فوراً بعد ہوتا ہے گویا یہ ایمان کا ایک لازمی تقاضا ہے بلکہ ایمان کا ایک حصہ ہے۔

سورۃ البقرہ کے شروع ہی میں ایمان کے بعد اقامت صلوٰۃ کا تذکرہ ہے جو ایمان کی عملی صورت ہے اور اس کے بعد یہ ہے کہ "ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں" کی صفت کا ذکر آجاتا ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ "رزق" سے مراد محض مال نہیں ہے رزق بمعنی عطاء ہے، بلکہ رزق کا لفظ اللہ تعالیٰ نے مال کے علاوہ ہر اس چیز کے لیے استعمال کیا ہے جو اس نے ہمیں عطا کیا ہے۔ ہمارا وقت بھی اس کا رزق ہے، عمر بھی اس کا دیا ہوا رزق ہے۔ دل و دماغ بھی اور صلاحیتیں بھی اُسی کی دی ہوئی ہے۔ ہمارا جسم بھی اس کا دیا ہوا رزق ہے۔ غرض ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے بس اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ صرف مال ہی رزق نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ رزق کی شکل میں اللہ نے دیا ہے، اس کو خرچ کرتے ہیں۔ اسے مومن کی ایک صفت قرار دیا ہے۔

سب سے زیادہ موثر اور زوردار تصویر قرآن مجید میں آخرت کا تذکرہ کرتے ہوئے ان لوگوں کی کھینچی گئی ہے جو جہنم میں ڈالے جائیں گے، جن کو ان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ فرمایا:

اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ کہے گا کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا گیا ہوتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش میری وہی موت (جو دنیا میں آتی تھی) فیصلہ کن ہوتی، آج میرا امال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا سارا اقتدار ختم ہو گیا۔ (حکم ہو گا) اسے پکڑ کر اس کی گردن میں طوق ڈال دو، اور جہنم میں جھونک دو، پھر اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔

اِنَّهٗ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ، وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ

"یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا"۔

لہٰذا آج نہ یہاں اس کا کوئی یار غم خوار ہے اور نہ زخموں کے دھوون کے سوا اس کے لیے کوئی کھانا، جسے خطا کاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا۔ [الحاقہ: ۲۵ تا ۳۷]

یہاں بھی بس دو ہی باتوں کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی ایمان نہ لانا اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینا۔ اسی طرح سورہ المدثر میں ہے کہ جو لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے ان سے اصحاب الیمین، جو جنت میں ہوں گے پوچھیں گے:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ۔ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ۔ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ [لمدثر: ۴۰ تا ۴۷]

"تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے آئی ہے؟ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے، اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، اور حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ مل کر ہم بھی باتیں بنانے لگتے تھے، اور روز جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں اس یقینی چیز (قیامت) سے سابقہ پیش آگیا"۔

یہاں بھی پہلے تو نماز کا ذکر آیا ہے جو کہ ایمان کا عملی ثبوت ہے اور اس کے فوری بعد یہ کہ ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔۔۔ یہ بھی بہت صاف صاف بتا رہا ہے کہ اللہ کی نظر میں مخلوق کی خدمت کا کیا مقام ہے۔

خدمت خلق 'مقصد دین:

اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ ایک پہلو سے سارے دین کا مقصد ہی خدمت خلق ہے تو یہ بات غلط نہیں ہوگی۔ دین کا مقصد جہنم میں گرنے سے بچانا ہے۔ اگر کسی کا گھر جل رہا ہو اور اس کو بچایا جائے تو یہ خدمت خلق ہے، اور اگر موت کے بعد وہ آگ میں گرنے والا ہو اور اس کو بچایا جائے تو کیا یہ خدمت خلق نہیں ہے؟ یقیناً یہ خدمت خلق ہی ہے۔ دعوت کی تعریف بھی یہی ہے۔ لیکن بات اتنی نہیں ہے بلکہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے رسول اس لئے بھیجے اور کتابیں اس لئے اتاریں تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔ گویا یہ بھی خدمت خلق ہے، لوگوں کو انصاف پر قائم کرنا اور لوگوں کے درمیان انصاف قائم کرنا، فی الواقع اس سے بڑی خدمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہی رسولوں کا مقصد ٹھہرا یہی کتابوں کے اتارنے کا مقصد قرار پایا، اور یہی مومنین کی جماعت کا مقصد مقرر پائے گا کہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔

[الحدید: ۲۵]

"ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں"۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو دین کا پورا مقصد ہی خدمت خلق ہے۔ اس کا ذکر ایمان کے ساتھ ساتھ ہی نہیں ہے، بلکہ بعض جگہ اس کا ایمان سے پہلے ہی ذکر کر دیا گیا ہے جیسا کہ سورہ مدثر میں ہے۔ بعض آیات جو بالکل ابتدائی دور کی ہیں ان میں بھی اس کی ہدایت کی گئی ہے مثلاً:

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى۔ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى۔ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى [اللیل: ۵تا۱۰]

"جس نے راہ اللہ میں مال دیا اور خدا کی نافرمانی سے پرہیز کیا، اور بھلائی کو سچ مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے"۔

یعنی جو راہ خدا میں مال دینے والا ہو، لینے والا نہ ہو، اللہ نے جو کچھ اور جتنا دیا ہو اس

میں خرچ کرنے والا ہو سائل اور مستحق کی مدد کرنے والا ہو، اللہ کی نافرمانی سے بچنے والا تقویٰ اختیار کرنے والا ہو اور بھلی بات کی تصدیق کرنے والا یعنی ایمان لانے والا ہو، اس کے لئے اللہ جنت کے راستے کو، اس پر چلنے کے راستے کو، آسان کر دیتے ہیں۔

بعض آیات ایسی ہیں جن سے معلوم ہے کہ ایمان اور عمل کی تو تعبیر ہی یہ ہے کہ آدمی اللہ کے بندوں کی خدمت کرے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ۔ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ۔ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاۤءُوْنَ۔ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۔ [سورۃ الماعون]

"تو نے کبھی اُس شخص کے بارے میں غور کیا ہے جو آخرت کی جزاو سزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔ پھر تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو ریا کاری کرتے ہیں، اور معمولی ضرورت کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں۔"

قیامت کا جھٹلانا کیا ہے؟ یتیموں کو دھکے دینا اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینا، یہ قیامت کا جھٹلانا ہے۔ یہ نہیں کہ آدمی کھڑے ہو کر ہی کہہ دے کہ میں قیامت کو نہیں مانتا۔ اگرچہ کوئی زبان سے قیامت کا اقرار کرتا ہو لیکن عمل یہ ہو تو یہ عملًا قیامت کو جھٹلانا ہے۔ اس طرح گویا پورے ایمان کی تعبیر خدمت خلق بن گئی، عبادت کی تعبیر بھی یہی ہے۔ نماز سے غفلت یہ ہے کہ نماز صرف دکھاوے کے لیے پڑھے، اس میں بندگی کی روح نہ ہو۔ اور معمولی چیز سے مراد روزمرہ استعمال کی معمولی چیزیں آدمی بخل کی وجہ سے روک لے۔

ایک دوسری جگہ جہنم کی آگ سے بچنے اور جنت میں داخل ہونے والوں کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

وَمَا اَدۡرٰكَ مَا الۡعَقَبَةُ۔ فَكُّ رَقَبَةٍ ۔ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَةٍ۔ یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ۔ اَوۡ مِسۡكِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ۔ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَةِ۔ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ۔ [البلد: ۱۲ تا ۱۸]

"اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا، یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مکین کو کھانا کھلانا۔ پھر اس کے ساتھ یہ کہ آدمی ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلق خدا پر) رحم کی تلقین کی۔ یہ لوگ ہیں دائیں بازو والے۔"

خدمت خلق کا مقام:

اس کے بعد خدمت خلق کے دین میں مقام کے بارے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ یہ کام تو اتنا اہم ہے کہ انسان کی پوری زندگی، سوچ، ذہن، دل و دماغ، غرض ہر چیز سے اس کی عکاسی ہونی چاہیے نہ یہ کہ آدمی ایک شعبہ قائم کرکے یا کھالیں جمع کرکے مطمئن ہو جائے، یا چند درخواستیں لے کر اور نمٹا کر سمجھے کہ ہم نے خدمت خلق کا کام کر دیا ہے۔ دین کی تعلیم سے تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خدمت خلق کوئی سی چھوٹی چیز ہے بلکہ یہ کام اپنے اندر بڑی جامعیت اور وسعت رکھتا ہے۔

خدمت خلق کا جو تصور ہم نے اپنے ذہنوں میں قائم کر رکھا ہے وہ بڑا محدود اور ناقص ہے۔ اس کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کام پر جو اجر و ثواب ہے، اس کا تصور کیجیے کتنا عظیم الشان ہے۔۔۔ اس کے حصول کی فکر کرنی چاہیے۔

یہ اہمیت کیوں ہے؟ اگر ہم غور کریں تو ہماری پوری زندگی مخلوق کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ خالق کو تو ہم نے نہیں دیکھا اور خالق سے ہم اپنا تعلق سوچ سمجھ کے، جان بوجھ کے، اور بڑی مشکل اور کوشش کرکے قائم کرتے ہیں، لیکن مخلوق سے تو ہمارا رشتہ پیدا ہونے سے پہلے قائم ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی کا ہر لمحہ دوسروں کے ساتھ جڑا ہوا ہے، انسان کے ساتھ،

جانوروں کے ساتھ، اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ، اگر دین پوری زندگی کو اللہ کی بندگی میں دینے کا نام ہے، تو زندگی کا ۹۰ سے ۹۵ فیصد حصہ خلق کے ساتھ تعلق پر مبنی ہے۔

اس تعلق کی جڑ دل میں ہے، ایمان میں ہے، جیسے بیج زمین سے پھوٹتا ہے اسی طرح جب ایمان پھوٹے گا، درخت بن کے نکلے گا تو اس کی ساری شاخوں کو کہیں نہ کہیں اللہ کی مخلوق کے ساتھ تعلق قائم کرنا ہو گا۔ آدمی گھر میں ہو، بازار میں ہو، کھیت میں ہو، حکومت کر رہا ہو ،ملازمت کر رہا ہو، غرض کوئی بھی کام کر رہا ہو، اس کا واسطہ انسانوں سے پڑتا ہے۔ گھر میں جاتا ہے بیوی بچے ہوتے ہیں، مسجد میں جاتا ہے نمازی ہوتے ہیں، دکان پر جاتا ہے گاہک آتے ہیں۔۔ کوئی کام ایسا نہیں ہے جہاں اس کا تعلق مخلوق کے ساتھ نہ ہو۔ مخلوق کے ساتھ اسی تعلق سے اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ بندھا ہوا ہے۔ اسی لیے مخلوق خدا کی خدمت کو یہ مقام بخشا گیا ہے۔

خدمت خلق:

انفرادی طور پر اگر غور کیا جائے تو خدمت خلق کا جو تصور اور مفہوم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے وہ بہت جامع اور وسیع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے ایسے طریقوں کی تعلیم دی ہے، جن سے آدمی مخلوق کی خدمت کر سکتا ہے۔ ان سب کو اگر ہم الگ الگ دیکھیں تو خدمت خلق کے بہت سے پہلو ہمیں معلوم ہو سکتے ہیں۔

پہلی صورت: کسی کو تکلیف نہ دینا:

خدمت خلق کا سب سے کم تر درجہ لیکن شائد سب سے اہم درجہ یہی ہے کہ آدمی اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔

ہم کوئی بھی خدمت نہ کر سکتے ہوں، لیکن خدمت کے اس پہلو سے تو کوئی عذر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ایک آدمی کہہ سکتا ہے کہ میری جیب میں پیسہ نہیں ہے، کھانا کیسے کھلاؤں؟ وقت نہیں ملتا خدمت کیسے کروں؟ یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کیسے کروں؟ لیکن کوئی بھی

انسان ایسا نہیں ہے جس کے بس سے یہ چیز باہر ہو کہ اپنی ذات سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائے۔اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اپنے دل میں کچھ چیزیں ہوتی ہیں جنھیں قربان کرنا پڑتا ہے۔ وہ بعض دفعہ زیادہ مشکل ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا مخلوق کی پہلی خدمت یہی ہے کہ آدمی کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ ایک طویل حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ساری چیزوں کی تعلیم دی تو لوگوں نے کہا کہ اگر ہم یہ بھی نہ کر سکیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر کم سے کم اپنی برائی سے دوسروں کو بچاؤ اور دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے بچو۔

عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ ۔ قَالُوْا يَانَبِيَّ اللهِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ قَالَ يَعْمَلُ بِيَدِهٖ فَيَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَيَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ يَجِدْ قَالَ يُعِيْنُ ذَالْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفِ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ يَجِدْ قَالَ فَيَعْمَلُ بِالْمَعْرُوْفِ قَالُوْا فَاِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَيُمْسِكَ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهَا لَهٗ صَدَقَةٌ ۔ [بخاری و مسلم]

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان کے ذمے صدقہ کرنا ہے (لیکن چونکہ ہر شخص صاحب مال و صاحب استطاعت نہیں ہوتا اس لئے) صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص مالی طور پر کمزور ہو اور صدقہ کی استطاعت نہیں رکھتا ہو تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا شخص جو مالی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ محنت کرے اور اپنی کمائی کا کچھ حصہ خدمتِ خلق میں لگائے یا کسی خستہ حال حاجت مند کے ساتھ تعاون کرے بھلے اُس کا بوجھ ہی اٹھائے یا لوگوں کو نیکی کی باتیں بتائے اور برے کاموں سے آگاہ کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم اپنے شر سے دوسروں کو محفوظ رکھے اگر فائدہ نہیں دے سکتا تو نقصان بھی تو نہ پہنچائے"۔

بعض علماء کے نزدیک ساری شریعت اسی اصول پر قائم ہے۔ شریعت کے جتنے بھی احکام ہیں، نکاح و طلاق کا مسئلہ ہو یا طرز حکومت کا، تجارت کے آداب ہوں یا کسی بھی شعبے سے متعلق، جو تعلیم دی گئی ہے سب کا بنیادی اصول یہی ہے کہ کوئی مخلوق خدا کو ایذا نہ پہنچائے حتیٰ کہ اپنی زبان، ہاتھ اور پاؤں سے بھی۔ یہاں تک حکم ہے کہ اگر تین آدمی ہوں، تو دو آدمی الگ ہو

کر بات نہ کریں۔ اس کی حکمت بھی یہی ہے کہ تیسرے کو تکلیف ہو گی۔ آدمی اگر کسی کے گھر جائے تو تین بار دروازہ کھٹکھٹائے دروازہ نہ کھلے تو واپس چلا جائے، بغیر اجازت کے داخل نہ ہو۔ یہ بھی اسی لئے ہے۔ اسی نوعیت کے دین کے بے شمار احکامات ہیں، جس حکم پر بھی غور کیا جائے خواہ کسی بھی دائرے سے تعلق رکھتا ہو یہی حکمت واضح ہو گی کہ انسان انسان کو تکلیف نہ پہنچائے۔ ایک انسان سے دوسرے انسان کو تکلیف نہ پہنچے۔ خدمت خلق کی بنیاد اور روح یہی ہے۔

اگر پوری شریعت کو فی الحال ہم ایک طرف بھی رکھ دیں لیکن ہر آدمی کم از کم یہ ارادہ کرے کہ اپنے کام سے، اپنی بات سے، اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچائے گا تو یہ بھی بہت بڑی خدمت ہو گی۔ اس سے ہمارے گھر، ہمارے محلّے، ہماری بستیاں، ہمارا معاشرہ اور ہماری زندگیاں اتنی پر سکون اور بابرکت زندگیاں بن جائیں گی کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہم اپنی زبان سے وہ بات نہ نکالیں جس سے کسی کا دل دکھتا ہو۔ وہ کام نہ کریں جس سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ چہرے پر ایسا کوئی تاثر پیدا نہ کرے جس سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہو۔ کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں کہ اس سے اسے دُکھ ہو گا۔۔۔ یہ ساری تعلیمات ہمارے دین میں بڑی تفصیل سے موجود ہیں اور ان میں یہی بنیادی اصول کارفرما ہے۔

خدمت خلق کے حوالے سے سب سے پہلی بات یہ ہے اور اس سے کوئی بھی آدمی یہ کہہ کہ انکار نہیں کر سکتا کہ یہ میرے بس سے باہر ہے یا میرے پاس وسائل نہیں ہیں یا پیسے نہیں ہیں، اس لئے کسی شعبے کی یا شفا خانے کی یا ایمبولینس کی، یا کھالیں جمع کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ صرف یہ طے کرنے کی ضرورت ہے کہ میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ جس سے بھی میل جول ہو یا ملاقات ہو، خواہ قریبی عزیز ہوں یا دور کے، ماں باپ ہوں یا بیوی بچے، کام کرنے والے ملازم ہوں یا دفتر میں کام کرنے والے ساتھی یا ماتحت۔۔۔ منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکالے یا ہاتھ سے کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے کسی کو ایذا پہنچے یا تکلیف ہو۔ یہ بات اس لئے بھی ضروری ہے کہ اگر یہ بات نہ ہو تو بڑے بڑے خدمت خلق کے کام

بھی ضائع ہو سکتے ہیں۔لوگوں کو ایذا پہنچانا کینسر کی بیماری کی طرح ہے۔ بڑے بڑے نیک کاموں کے ساتھ اگر یہ بیماری لگ جائے تو سارے اعمال اکارت اور بیکار ہو جاتے ہیں۔

چند احتیاطیں:

خدمت خلق کے لیے ایک لفظ جو قرآن اور حدیث میں استعمال ہوا ہے، وہ صدقے کا لفظ ہے۔ صدقے سے مراد صرف پیسہ دینا ہی نہیں ہے یا یہ صرف خیرات کرنا نہیں ہے، بلکہ صدقے کے لفظ کے اندر بہت ساری باتیں شامل ہیں۔ قرآن مجید میں صدقے کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے اور انفاق کا لفظ بھی آیا ہے۔ یہ چند احتیاطوں کا متقاضی ہے۔

۱۔ راہ خدا میں خواہ کتنا ہی مال دیا ہو، اس انفاق کے بعد لوگوں پر احسان جتایا، تکلیف دی تو سارا انفاق، ساری خدمت خلق بیکار ہو جاتی ہے۔

۲۔ جو لوگ دفتر میں بیٹھے کہہ دیں کہ ہم نے تمھارے ساتھ اتنا کیا، تو وہ سب کچھ ضائع ہو جاتا ہے۔ اور جو کوئی ایسی بات کہہ دے جس سے لینے والے کو جس کی خدمت ہو رہی ہے تکلیف پہنچے یا برا بھلا کہہ دیا تو اس سے سب اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کوشش ہونی چاہیے کہ دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے بچا جائے، خدمت خلق کے لیے یہ لازمی اور ناگزیر ہے۔ اگر آدمی کوئی کام بھی کرے، کسی کا بھی کرے، بڑی سے بڑی خدمت کرے اور اس کے بعد تکلیف پہنچادے تو سب کچھ ضائع ہو جاتا ہے۔

۳۔ ماں باپ کی بہت خدمت کی لیکن بعد میں برا بھلا کہہ دیا، یا بد تمیزی کر دی تو سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔ یہ بات قصاص کے دائرے میں بھی آسکتی ہے۔

۴۔ نوکر کا بہت خیال رکھا، اس کو کپڑے دیئے، رقم دی، لیکن کھڑے کھڑے اس کی بے عزتی کر دی، اس طرح آدمی نے جو کچھ کیا سب ضائع ہو سکتا ہے۔

اسی لیے سب سے پہلی بات جس کے بارے میں انسان کو سوچنا چاہیے وہ یہ ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جس سے دوسروں کو ایذا پہنچے یا تکلیف ہو۔ یہ خدمت خلق کی

وہ صورت ہے جو ہم میں سے ہر آدمی کر سکتا ہے، کسی کے بھی بس سے باہر نہیں ہے۔ اس میں نہ پیسہ لگتا ہے، نہ وقت، بس صرف اپنے نفس کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ غصہ آ رہا ہے، انتقام لینے کو دل چاہ رہا ہے، اس وقت اپنے آپ کو قربان کر دینا، نفس پر قابو پا لینا، یہ بہت بڑی بات تو ضرور ہے، لیکن خدمت خلق کی راہ میں بہر حال پہلی چیز ہے۔

دوسری صورت: انفاق فی سبیل اللہ:

خدمت خلق کا ایک اصول انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ دراصل یہ خدمت خلق کا جزوِ اعظم ہے۔ خدمت خلق دینے، خرچ کرنے، انفاق اور ایتا کا نام ہے۔

کھانا کھلانا، علاج کرنا، خدمت کرنا اور عیادت کرنا۔۔۔ سب اسی کے اندر آتا ہے۔ لیکن اصل چیز یہ ہے کہ آدمی خود غرض نہ ہو بلکہ دینے کو تیار رہے، اور دینے میں جو چیز آدمی کو سب سے پیاری ہے وہ ہے مال و دولت۔ ویسے تو وقت اور دوسری بہت سی چیزیں انسان کو پیاری ہوتی ہیں لیکن عزت و آبرو کے بعد سب سے پیاری چیز پیسہ ہی ہوتا ہے۔ اسی لئے جہاں بھی خدمت خلق کا ذکر آیا ہے وہاں پر بہتر چیز خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے: "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" اور ساتھ وہاں پر دولت کو سینت سینت کر رکھنے سے بھی منع کیا گیا ہے، یا اس کی برائی بیان کی گئی ہے۔ سورہ الھمزہ میں ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ

"تباہی ہے ہر اُس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) غیبت کرنے کا خوگر ہے، جس نے مال جمع کیا اور اس گن گن کر رکھا"۔

گویا مال جمع کرنا، اسے گن گن کر رکھنا، بنک بیلنس شمار کرتے رہنا، اور اپنا مال تھیلوں اور تجوریوں میں بھر بھر کر رکھنا جس سے حقدار کو حق نہ دیا جائے اور انفاق نہ کیا جائے۔ یہ ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔ قرآن نے مال جمع کرنے کو اس بات سے بھی جوڑا ہے کہ

ایسا شخص لوگوں کو طعنے دینے اور بُرا بھلا کہنے کا خوگر ہوتا ہے اور انھیں تکلیف پہنچاتا ہے۔ گویا دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے پیچھے بھی مال کی محبت کا محرک کارفرما ہوتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر انسانی نفسیات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ہم انسان کو عزت اور نعمت دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنا دیا، اور جب آزمائش کرتے ہیں اور اس کا رزق تنگ کر دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔

مگر حقیقت کیا ہے، اس کی نشاندہی قرآن یوں کرتا ہے:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ۔ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا۔ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا [الفجر: ۱۷تا۲۰]

"ہر گز نہیں، بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے، اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اکساتے اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو۔"

یہاں بھی مال کی محبت اور دوسروں کو تکلیف دینا، دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے۔

نیکی کی تعریف قرآن مجید میں، ایک مقام پر اس طرح سے کی گئی ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ۔۔۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ [البقرہ: ۱۷۷]

"نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ، یومِ آخرت، ملائکہ، کتاب اللہ اور پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر، غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے پورا کریں، اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔"

یہاں بھی اللہ، یوم آخر، ملائکہ، کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لانے کے بعد جس بات کا تذکرہ کیا گیا وہ ہے اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور نادار و محتاج لوگوں پر خرچ کرے، نماز، زکوۃ اور جہاد کا حکم اس کے بعد دیا گیا ہے۔ اس سے بھی راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

عَلٰی حُبِّہٖ کے معنی ہیں: اللہ کی محبت میں دینا، مال کی محبت کے باوجود دینا۔ دونوں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ مال کی محبت کے باوجود آدمی اُسی وقت دے سکتا ہے جب مال سے زیادہ کوئی اور چیز پیاری ہو جائے، اور وہ ہے اللہ، اللہ کی محبت میں بھی آدمی اسی وقت دے سکتا ہے، جب مال کی محبت، اللہ کی محبت سے کم ہو، مقصد یہ ہے کہ جو مال اللہ نے ہمیں دیا ہے ،جس سے ہمیں بڑی محبت ہے، اسے اللہ کی راہ میں دوسرے بندوں پر خرچ کرنا چاہیے۔ لہٰذا کنجوسی سے مال کو بچانے کے بجائے کھلے دل او کھلے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں دینا، یہ خدمت خلق کی دوسری صورت ہے۔ یہ چیز نہ ہو تو اجتماعی کاموں کی عمارت کھڑی کرنے سے خدمت خلق کے کام کا وہ حق ادا نہیں ہوتا جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر عائد کیا ہے۔

اور ایسا کیوں نہ ہو غریب یا ضرورت مند افراد بھی تو اللہ ہی کے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کی بھلائی کے لیے صرف ترغیب ہی نہیں دی بلکہ کچھ چیزیں مثلا زکوۃ فرض بھی کر دی اور بہت سے گناہوں (مثلاً قسم توڑنا، روزہ توڑنا، وغیرہ) کے کفارے بھی اس طرح کے رکھے ہیں کہ ان سے غریبوں کی امداد ہو سکے۔

مال نہیں، قلبی وسعت:

مال دینے کے لیے مال کا ہونا ضروری ہے، بلکہ اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ دل میں جگہ ہونی چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پہلو کو یوں واضح کیا ہے کہ ایک دن آئے گا کہ آدمی اللہ کے سامنے کھڑا ہو گا کہ درمیان میں کوئی پردہ نہ ہو گا روبرو ہو گا اور آگ بھڑک رہی ہو گی۔ سوچے گا کہ آگ سے کیسے بچے؟ دائیں بائیں سہارا دیکھے گا۔ پھر دیکھے گا کہ جو

کچھ مال میں نے دنیا میں آگے بھیجا ہے اس میں سے کچھ نہیں ہے سوائے عمل کے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس:

آگ سے بچو۔۔۔ اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا بھی دے کر بچ سکتے ہو تو بچو۔

یعنی آگ سے بچنے کے لیے خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا دیا جائے یا صرف ایک پیسہ، جو کچھ بھی ہو دینا چاہیے۔ اللہ کے ہاں اجر مقدار کی بنا پر نہیں بلکہ دینے کی نوعیت کے لحاظ سے ملے گا۔

اگر اتنا مفلس اور قلاش ہو کہ کچھ بھی نہ دے سکے، تو کم از کم اس بات پر رنجیدہ تو ہو کہ میں دے نہیں سکتا۔ آنکھ میں آنسو اور دل میں افسوس ہی ہو کہ کاش میرے پاس کچھ ہوتا تو میں دے دیتا اس کا بھی بڑا اجر و ثواب ہے۔

اپنا مال قربان کرنا، اللہ کی راہ میں دینا اور مال کی محبت دل سے نکالنا۔۔ اس کے بغیر خدمت خلق نہیں ہو سکتی۔ مال کی محبت دل میں ہو تو آدمی وقت کے بارے میں بھی کنجوس ہوتا ہے۔ جسمانی صلاحیتوں اور توانائیوں کے استعمال میں بھی کنجوس ہوتا ہے اور ترجیحات بھی بدل جاتی ہیں، غرض بہت سی کنجوسیاں آجاتی ہیں۔ اسی طرح اگر مال کے بارے میں دل کھلا ہو تو ہر چیز کے بارے میں دل کھلا ہوتا ہے۔ بخیل کے کردار میں ہر طرح کی خرابیاں آجاتی ہیں اور فیاض آدمی میں بڑی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ دل اتنا کھلا ہو کہ جو دولت اللہ نے دی ہے جتنا بھی دیا ہے خواہ کھجور کا ٹکڑا بھی دے سکتا ہو، اللہ کی راہ میں دے۔

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ كَانَ بِشِقِّ التَّمَرِ۔۔۔ یہ ہے خدمت خلق کی روح!

تیسری صورت: بھلی بات کہنا:

تیسری چیز یہ ہے کہ آدمی ایسی بات کہے کہ جو دوسرے کے دل کو خوش کر دے، اس کو نفع پہنچائے۔ ایک حدیث میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اگر کھجور کا ایک ٹکڑا بھی راہ خدا میں دینے کے لیے نہ ہو تو اچھی بات کے ذریعے اس آگ سے بچو۔ کم از کم یہ بات تو ایسی ہے جو ہر آدمی ضرور ہی کر سکتا ہے۔ ایک اچھی اور میٹھی بات منہ سے نکالنے میں نہ پیسہ لگتا ہے نہ دمڑی، بلکہ

کچھ بھی نہیں لگتا۔ مسکرا کر ملنے سے، مسکرا کر دیکھنے سے، اچھی اور میٹھی بات کرنے سے کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا۔ پھر آدمی اس میں بخل کیوں کرے، کنجوسی اور تنگ دلی کا مظاہرہ کیوں کرے۔

اچھی بات کر دینے سے آدمی کا دل کتنا خوش ہوتا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پیسے دینے سے وہ فائدہ نہیں ہوتا، جو میٹھی بات سے ہوتا ہے۔ پیسہ روک دینے سے دل پر وہ زخم نہیں لگتا جو کڑوی بات سے لگتا ہے۔ کڑوی بات کا زخم کسی طرح نہیں بھرتا۔

تلوار یا بندوق کا زخم دواؤں سے مٹ جاتا ہے، مندمل ہو جاتا ہے، لیکن کڑوی بات کا زخم جب دل پر لگتا ہے تو کوئی مرہم اس پر کام نہیں کرتا۔ چنانچہ اگر کھجور کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، پھر اچھی بات سے اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔

چوتھی صورت : صلاحیتیں لگانا:

خدمت خلق کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو جو وقت، جسم جان، صلاحیتیں اور توانائیاں عطا کی ہیں انھیں راہ خدا میں لگائے۔ اس کے بے شمار صورتیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کی مناسبت سے ان کو بیان فرمایا اور ان کی تعلیم دی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دو، تو یہ بھی خدمت خلق ہے۔ اگر کسی کو سواری پر ہاتھ پکڑ کر بٹھا دو، تو یہ بھی خدمت خلق اور صدقہ ہے۔ اگر اندھے کو راستہ نہیں ملتا، تم نے اسے راستہ بتا دیا تو یہ بھی خدمت خلق کا کام ہے۔ کسی کے لیے کچھ کما کر اس کی خدمت کر دی، مالی مدد کر دی، تو یہ بھی خدمت خلق ہے۔ کسی کو سودا سلف لا دینا، یہ بھی خدمت ہے۔ اس طرح کے بے شمار صورتیں ہیں جن سے آدمی اپنے جسم و جان سے خدمت کر سکتا ہے۔

محلے کے اندر کوئی بوڑھا، بوڑھی ہے یا بیوہ، یتیم ہے جاتے جاتے اُن کی طبیعت ہی پوچھ لی۔ یہ بھی بہت بڑی بات ہے جسے لوگ نہیں کرتے۔ حالانکہ اس میں بھی بہت خدمت خلق ہے۔ ممکن ہے کہ اس نے کچھ منگوانا ہو، لیکن اتنا پوچھ لینا کہ اماں سودا تو نہیں لانا۔ یہ پوچھنا بھی ان کے دل کو خوشی کر دے گا۔ اُن کا حال احوال پوچھ لیں، اپنی خدمت پیش کرے کہ

اگر کوئی خدمت یا کام ہو میرے لائق تو کہنا۔ ان کی خوشی سے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گا اور اللہ خوش ہو گا۔ یہ ایسی خوشی ہے جو نماز، روزہ یا تسبیح و تہلیل سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ صرف اللہ کے بندوں کو خوشی کرنے سے اللہ کو اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتی ہے۔

یہ سب خدمت خلق کی انفرادی صورتیں ہیں جو ایک فرد اپنے ہاتھوں سے انجام دے سکتا ہے۔ ان کا ذکر پہلے اس لئے کیا گیا ہے کہ جو بھی اجتماعی کام ہیں خواہ کوئی شعبہ رفاہی ادارہ قائم کیا جائے، کوئی شفا خانہ بنایا جائے، کھالیں جمع کی جائیں، اسکول بنایا جائے، مدرسہ بنایا جائے، یا کوئی مسافر خانہ، یتیم خانہ میں کام کیا جائے اس کے لیے باقاعدہ ادارہ اور دفتر قائم کیا جائے اور منظّم طریقے سے خدمت کی جائے۔ یہی افراد ہی یہ اجتماعی کام انجام دیتے ہیں، لیکن اگر یہ سمجھا جائے کہ ہم محض اجتماعی ڈھانچوں کے قیام سے خدمت خلق کا حق ادا کر دیں گے اور ہمارے ہاں دفتر اور منظّم طریقہ کار نہیں تو مذکورہ بالا کام انفرادی طور پر کرنا بھی خدمت خلق ہیں، اس کے ادا کرنے سے آپ خدمت خلق کے اجر اور ثواب سے محروم نہیں رہ سکتے اور اس لیے بھی اس انفرادی خدمت کا تذکرہ کیا گیا کہ جو لوگ اجتماعی خدمت خلق کا فریضہ ادا کر رہے ہیں، خود ان کی ذات سے اس انفرادی خدمات کی عکاسی نہ ہوتی ہو تو یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف اجتماعی ڈھانچے کھڑے کر دینے سے خدمت خلق کا حق ادا نہیں ہوتا۔ جب تک اپنے اندر انفرادی خدمت کا عملی جذبہ پیدا نہ کرے۔ قرآن وسنت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

خدمت خلق: اجتماعی طور پر:

خدمت خلق کے کام کو اجتماعی طور پر کرنے کی ترغیب قرآن مجید میں دی گئی ہے۔ جہاں بھی یَحُضُّ کا لفظ آتا ہے، تَحٰٓضُّوْنَ کا لفظ استعمال ہوا ہے وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ کا لفظ آتا ہے۔۔۔ اِن سب مقامات پر اجتماعی کام کی ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طریقے سے سورہ

العصر میں صبر اور حق کی تواصی کا حکم دیا گیا ہے جس سے مفسرین نے پورے نظام خلافت کا قیام ضروری قرار دیا ہے۔ تَوَاصِوْ بِالْحَقِّ اور تَوَاصِوْ بِالصَّبْرِ کے لئے ضروی ہے کہ حکومت کا پورا نظام قائم ہو۔ان سب مقامات پر اجتماعی کوشش کی طرف صاف صاف اشارہ ہے۔

اُس زمانے میں شعبے بنا کر منظّم کام تو ریاست ہی کرتی تھی، لیکن اب معاشرہ پھیل گیا ہے، مختلف گروہ وجود میں آگئے ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ مل جل کر اجتماعی طور پر منظّم انداز میں کام کیا جائے۔

اجتماعی کام کی نوعیت:

خدمت خلق ایک جامع تصور ہے۔ یہ بھی اللہ کی بندگی اور عبادت کی طرح ایک فریضہ ہے جس میں ہر ایک کو حصہ لینا چاہیے، بعض کاموں کو منظّم طور پر کرنے کے لیے شعبے قائم ہو سکتے ہیں اور مل جل کر کام کرنے کا سوچا جا سکتا ہے۔اس کے لیے منصوبے بھی بنائے جاسکتے ہیں۔ اس نوعیت کے بہت سے کام ہیں جو سب خدمت خلق کی تعریف میں آئیں گے۔مثال کے طور پر وہ سب کام جن سے:

- لوگوں کے مسائل حل ہوں۔
- یتیموں، بیواؤں، حاجت مندوں کو سہارا ملے۔
- جن لوگوں کی گردنیں غلاموں کی طرح لوگوں کے ہاتھوں میں پھنسی ہوئی ہوں، ان کی گردنیں آزاد ہو جائیں۔
- جن مقروض افراد کی گردنیں قرض کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہوں، ان کے سر سے قرض کا بوجھ اتارا جاسکے۔
- بے روزگاروں کو روزگار مل جائے۔
- قوم وملت، محلے، علاقے کی اجتماعی طور پر خدمت کی جائے۔

یہ سب اس طرح کے کام ہیں جو مل جل کر منظّم طور پر کئے جانے چاہییں۔ کیونکہ

اجتماعی طور سے کئے گئے کام انفرادی طور پر کئے گئے کام سے دس گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں۔ جب لوگ مل کر بیٹھتے ہیں تو گروہ بناتے ہیں، تنظیم بناتے ہیں۔ تنظیم بنانے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ ایک اور ایک مل کر گیارہ ہو جائیں۔ ایک اور ایک مل کر دو کی کوششیں دو کے برابر نہ ہوں بلکہ گیارہ کی کوششوں کے برابر ہو جائیں، تب تنظیم کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ جو چیز اَضْعَافًا مُّضَاعَفًا، یعنی کئی گنا بڑھتی ہے تو وہ دراصل مل جل کر کام کرنے سے بڑھتی ہے۔ لیکن مل جل کر کام کرنے کو ہی اصل کام سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ ہم نے گھر پر بیٹھ کر خیرات کر دی اور لوگوں کو پوچھ لیا، بلکہ انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح خدمت کرنا ضروری ہے۔

اجتماعی کام کی ترغیب اور امداد باہمی:

یہ ضروری ہے کہ لوگ جمع ہوں، مل کر بیٹھیں، اہل محلّہ کو جوڑیں، دوسروں کو بلائیں اور اکھٹے ہو کر اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر سب مل کر یہ کام کریں تو یہی کام کتنا زیادہ پھیل سکتا ہے۔ اپنے اپنے محلے میں کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں اور دیکھیں کہ کون لوگ ضرورت مند اور حاجت مند ہیں اور ان کی ضروریات کیا ہیں، اس کے بعد جو لوگ ان کی ضرورتیں پوری کر سکتے ہوں، ان سے رابطہ کر لیا جائے اور انھیں ترغیب دی جائے کہ وہ اپنے کمزور بھائیوں کی امداد کریں۔ اس تھوڑے سے کام سے بڑی برکت ہو گی اور بڑا کام ہو گا۔

لوگ تو تلاش میں ہوتے ہیں کہ کوئی مستحق ملے اور وہ اس کی مدد کر سکیں۔ اگر گاؤں محلے کے معتبر لوگ کھڑے ہوں، جو کہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ فلاں یتیم ہے، بیوہ ہے اور وہ امداد کے مستحق ہیں تو اسی گاؤں اور محلے سے ایسے لوگ مل جائیں گے جو خوشی سے آگے بڑھ کر کام کریں گے۔ ہر گاؤں اور محلے میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مال دار غنی ہوتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تک پہنچا جائے اور ان سے مال لے کر اسی بستی کے فقراء میں اخلاص اور ایمانداری سے تقسیم کر دیا جائے۔ دین میں خدمت کا بھی یہی اصول ہے کہ بستی میں جو لوگ

صاحب ثروت اور مالدار ہوں، اُن سے وصول کر کے محتاجوں اور فقرا میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ کام زکوۃ کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے۔ لوگ زکوۃ لے کر اس انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں کہ ہم کو مستحق نہیں ملتے۔ اگر لوگوں سے صرف رابطہ کروایا جائے تو وہ امداد کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور اس کے لیے بنیادی کام مسجد اور علماء سے ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی اس ذمہ داری کے حوالے سے ذہن سازی کریں اور اس کام کے لیے مسجدوں کی سطح پر کمیٹیاں بنائی جائیں۔

آج بھی مسلمانوں میں بعض چیزوں کے بارے میں راسخ تصور پایا جاتا ہے کہ یہ "نیکی کا کام" ہے مثلاً یتیم خانہ بنانا، کنواں کھدوانا، مسجد بنانا وغیرہ، اس حوالے سے اُن کے دل میں بڑا نرم گوشہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے دنیا میں مسجد بنائی اُس نے جنت میں گھر بنایا، لوگ تعمیر مسجد کے لیے دل کھول کر چندہ دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے کسی شہر میں چلے جائیں اچھی اچھی عالیشان مسجدیں ملیں گی، ان کی تعمیر میں باہر سے ایک پیسہ بھی نہیں لگا ہوتا، سب کچھ مسلمانوں نے اپنی جیب سے دیا ہوتا ہے، وہ اس کام کے لئے پیسہ دیتے ہیں لاکھوں لگاتے ہیں، اس لئے کہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ اس میں اجر و ثواب ہے اور صحیح جگہ پیسہ لگ رہا ہے۔ اسی طریقے سے کنواں کھدوانا ہے۔ یہ بھی ایک ایسا کام ہے کہ مسلمان جانتا ہے کہ یہ بڑے ثواب کا کام ہے، مسلمان سبیل بہت لگاتے ہیں اس لئے کہ وہ جانتے ہیں پیاسے کو پانی پلانا بڑے ثواب کا کام ہے۔

نیکی اور خدمت خلق کے اس طرح کے بہت سے کام ہیں۔ اگر ان کی اہمیت ، فضیلت اور ان کے لیے اللہ اور رسول ا نے جو اجر رکھا ہے وہ لوگوں کو بتایا جائے تو یقیناً لوگ اِن راستوں میں دل کھول کر خرچ کریں گے۔ اگر انہیں یہ بتایا جائے کہ فلاں کام کا کتنا اجر و ثواب ہے، کتنا صدقہ جاریہ ہے یا کنواں کھدوایا گیا تو جو پیاسا اس سے پانی پیئے گا، قیامت تک اس کنویں سے آپ کو اس کا ثواب ملتا رہے گا، آپ کی آگ ٹھنڈی ہوتی رہے گی، جنت میں درخت اگتے رہیں گے، میوے لگتے رہیں گے۔۔۔ اگر اس طرح سے بات کی جائے تو وہ کہے گا اچھا میں یہ کنواں کھودنے

میں ۱۰۰ اروپے دے سکتا ہو۔

اس طرح کی اجتماعی کوششوں سے کنواں کھد سکتا ہے۔ نہر کی صفائی ہو سکتی ہے، محلے اور علاقے کی صفائی ہو سکتی ہے، بہت سے کام ہو سکتے ہیں۔ اگر راستہ ٹھیک نہیں ہے آپ کہتے ہیں کہ ہم مل جل کر راستہ ٹھیک کر دیتے ہیں۔ دس آدمی کدال لے کر کھڑے ہو جائیں کہ ہم راستے کو صاف کرتے ہیں، راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے پر بھی جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اگر کوئی کدال سے راستہ ٹھیک کر دے، لوگوں کے لیے چلنا پھرنا آسان ہو جائے تو یہ بشارت اس کے لیے بھی ہے۔ اگر اس طرح سے لوگوں کی رہنمائی کی جائے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان اس کے لئے آگے نہ بڑھیں۔

اس پر قیاس کرتے ہیں کہ اگر دیکھا جائے تو بہت سی ایسی اجتماعی صورتیں ہیں جن سے خدمتِ خلق کا کام کیا جا سکتا ہے۔ اگر عزم کریں تو یہ کام بڑے وسیع پیمانے پر ہو سکتا ہے۔

نیت کی درستی:

اس حوالے سے آخری بات یہ ہے کہ اس سارے کام میں اگر اجر ہے، تو وہ صرف اس صورت میں کہ کام صرف اللہ کے لیے کیے جائیں۔ اگر یہ کام اس لئے کیے جائیں کہ لوگ ہمارے شکر گزار اور ممنون ہو کر، ہماری تعریف کریں، ہمیں ووٹ دیں۔۔۔ ممکن ہے کہ یہ سارے فوائد حاصل ہو جائیں، لیکن اجر ضائع ہو گیا۔ اس لئے کہ اجر تو صرف اس صورت میں ہے کہ نیت یہ ہو:

اِنَّمَا نُطۡعِمُكُمۡ لِوَجۡهِ اللّٰهِ لَا نُرِيۡدُ مِنۡكُمۡ جَزَآءً وَّلَا شُكُوۡرًا ۔ اِنَّا نَخَافُ مِنۡ رَّبِّنَا يَوۡمًا عَبُوۡسًا قَمۡطَرِيۡرًا ۔ [الدھر: ۹،۱۰]

”تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ، ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا“۔

اگر ہماری نیت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ جو کچھ خدمت کرتے ہیں، کھانا کھلاتے ہیں، مسکرا کے بات کرتے ہیں اور کھجور کا ٹکڑا نکال کر دیتے ہیں، یہ صرف اللہ کی رضا اور آخرت میں نجات کے لیے ہے تو اجر ہے، تو اگر نیت یہ ہو گی تو دوسرے فوائد بھی کئی گنا زیادہ بڑھ جائیں گے۔اور اگر نیت یہ نہیں ہو گی تو آپ بیٹھ کے بار بار یہ الزام دیتے رہیں کہ ہم نے تو اتنا کام کیا لیکن اس کے باوجود لوگ ہمیں ووٹ نہیں دیتے، دوسروں کو دیتے ہیں۔ یہ ہماری تعریف نہیں کرتے وغیرہ یہ تجربہ جو آپ کو ہوتا ہے اور بار بار ہوتا ہے کہ لوگ بات نہیں سنتے، ہمارا ساتھ نہیں دیتے، ہمارے لئے کھڑے نہیں ہوتے، یہ بھی نیت کی خرابی کا نتیجہ ہے۔ آپ کی نیت اس کے علاوہ کچھ نہیں ہونی چاہیے کہ صرف اللہ کو خوش کرنا ہے۔ ہمارا کسی پر کوئی احسان نہیں ہے، جو اس پر جتانا ہو یا ہم پر کوئی احسان نہیں ہے۔ جو اتارنا ہو، صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی مقصود ہونی چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ۔ [البقرہ: ۲۰۷]

"دوسری طرف انسانوں ہی میں کوئی ایسا بھی ہے جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے"۔

اللہ کی رضا کی تلاش میں، کسی جزا اور شکر گزاری کی توقع کے بغیر صرف آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے انسانوں کی خدمت کرنا، نیت صرف یہی ہونی چاہیے۔ اس کا اجر بھی آخرت میں پورا ملے گا اور دنیا کے اندر بھی بڑی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ ان خدمات اور کاوشوں کے ذریعے جو اجتماعی برکتیں اور اثرات آپ چاہتے ہیں یعنی دعوت دین، غلبہ دین اور عوام کا رجوع، وہ بھی ان شاء اللہ اس سے ظہور پذیر ہو گا۔ لیکن اس کی بنیادی شرط یہی ہے کہ خدمت خلق کا جو کام بھی کریں، وہ بس اسی نیت اور ارادے سے کریں کہ اللہ ہم سے خوش ہو جائے، ہم اس کے عذاب سے بچیں، اور آخرت میں بندوں کی بجائے اللہ سے اجر ملے۔ بندے جو کچھ بھی آپ کے احسان مند ہوں گے، آپ کی تعریفیں کریں گے وہ سب تو یہیں ختم ہو جائیں

گی۔ جہاں آپ مٹی میں گئے آپ کی تعریفیں ختم۔ جو کچھ بھی آپ خوش ہوئے، لذت لی، کچھ بھی آپ کے ساتھ نہیں جائے گا، صرف نیت آپکے ساتھ جائے گی۔

اللہ کی رضا کی نیت سے انسان جو کچھ کرتا ہے وہ بڑھتے بڑھتے اتنی بڑی جنت بن جائے گا جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ نیت بہ ظاہر معمولی سی بات ہے، وہی چھوٹی سی نیت، کہ یہ کام صرف اللہ کے لیے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں جو اکرام کرے گا اس کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ ۔۔۔ وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا۔ [الدھر: ۱۱تا۲۲]

"پس اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے شر سے بچالے گا اور انھیں تازگی اور سُرور بخشے گا اور ان کے صبر کے بدلے میں انھیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا۔ وہاں وہ اونچی مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ انہیں دھوپ کی گرمی ستائے گی نہ جاڑے کی سردی۔ جنت کی چھاؤں ان پر جھکی ہوئی سایہ کر رہی ہو گی، اور اس کے پھل ہر وقت ان کے بس میں ہوں گے (کہ جس طرح چاہیں انھیں توڑ لیں) ان کے آگے چاندی کے برتن اور شیشے کے پیالے گردش کرائے جارہے ہوں گے، شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے، اور ان کو (منتظمین جنت نے) ٹھیک اندازے کے مطابق بھرا ہو گا، ان کو وہاں ایسی شراب کے جام پلائے جائیں گے جس میں سونٹھ کی آمیزش ہو گی، یہ جنت کا ایک چشمہ ہو گا جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔ ان کی خدمت کے لیے ایسے لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے جو ہمیشہ نوجوان ہی رہیں گے۔ تم انہیں دیکھو تو حسن و صفائی کی وجہ سے سمجھو کہ گویا موتی ہیں جو بکھیر دیئے گئے ہیں۔ وہاں جدھر بھی تم نگاہ ڈالو گے نعمتیں ہی نعمتیں اور ایک بڑی سلطنت کا سَر و سامان تمہیں نظر آئے گا۔ ان کے اوپر باریک ریشم کے سبز لباس اور اطلس و دیبا کے کپڑے ہوں گے، ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے، اور ان کا رب ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔ اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کار گزاری قابل قدر ٹھہری ہے"۔

یہ سب کچھ صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ:

لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا۔ [الدھر:۹]

"ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ"۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا [الدھر:۱۰]

"ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا"۔

یعنی ہمیں تو اپنے رب سے بس اسی دن کا ڈر لگا ہوا ہے جو دن بڑا سخت، نحوست والا اور اُداسی کا اور رنج و غم کا دن ہے۔

ہم سمجھیں کہ ہم جو بھی کام کر رہے ہیں یہ بندوں کی خدمت نہیں ہے بلکہ اللہ کی خدمت ہے۔یہی اللہ کی بندگی ہے۔ یہ اللہ کا حق ہے بندوں کا حق نہیں ہے۔اور اگر آپ نے بندوں کے حوالے سے وہ کام نہیں کئے جو کرنے کے ہیں تو ان کے لئے بندے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ روز محشر خود کھڑا ہو جائے گا اور آپ کا دامن پکڑلے گا، اور آپ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کے پوچھے گا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا؟

اپنی ذات سے آغاز:

حقوق العباد کا تعلق سب سے پہلے بندے کی اپنی ذات سے ہوتا ہے۔ یہ وہ حقوق ہیں جو ایک بندے پر اس کے والدین، بہن بھائی، عزیز و اقارب، پڑوسی اور پھر تمام انسانیت کے ہیں۔ خدمت خلق، حقوق العباد ہی کا ایک حصہ ہے۔قرآن کریم میں اہل ایمان کی خصوصیات کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

"وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود کتنے ہی ضرورت مند کیوں نہ ہوں"۔ [الحشر:۹]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ اسے نہ صرف یہ کہ آنکھ، ناک، دل و دماغ اور ہاتھ پیر عطا کئے، بلکہ صحت، دولت اور رزق بھی عطا کئے۔ اسے ماں

باپ جیسی پیار کرنے والی ہستیاں دیں، محبت کے جذبوں سے مالا مال بہن بھائی، خالہ ،ماموں اور نانی، نانا، دادا،دادی جیسے رشتے بنائے۔ کائنات میں اس کی ضرورت کے لیے حیوان ، شجرو حجر دریا سمندر، زمین وآسمان پیدا کیئے،مال وزر سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے جب اتنی نعمتیں عطا کی ہیں تو ان نعمتوں پر اس نے دوسروں کے حقوق بھی مقرر کیے ہیں۔ اگر دولت ہے تو اس میں غریبوں کا حصہ بھی ہے جو زکوۃ صدقات و خیرات کی صورت میں ادا کرنا لازمی ہے۔ جس طرح دولت پر زکوۃ ہے، اسی طرح جسمانی زکوۃ بھی فرض کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنی جسمانی توانائی کو دوسروں کی خدمت میں صرف کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہو جاتا ہے۔اور اگر تو دو آدمیوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرادے تو یہ صدقہ ہے، تو کسی آدمی کو سوار ہونے میں مدد دے تو یہ صدقہ ہے، تو اگر اسے اپنے ساتھ سواری پہ بٹھائے یا اپنی سواری پر اس کا سامان رکھے تو یہ بھی صدقہ ہے، کلمہ طیبہ پڑھنا صدقہ ہے، نماز کے لئے مسجد جاتے وقت جو قدم اُٹھاتا ہے صدقہ ہے، اگر تو کسی تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹادے تو یہ صدقہ ہے۔

[مشکوۃ شریف]

خدمت خلق کا یہ کام دراصل اپنی ذات سے شروع کرنے کا ہے، لیکن اپنی ذات پہ رُک جانے کا نہیں ہے، بلکہ ذات سے آگے بڑھ کر سب کو اکھٹا کرنے اور منظّم کرنے کا ہے کہ سب اس کار خیر میں شریک ہوں۔ اگر آپ کی کوشش سے کوئی دوسرا آدمی خدمت خلق کے کام میں شریک ہو جاتا ہے تو بغیر اس کے کہ اُس کے اجر میں کوئی کمی ہو، آپ کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عجیب مظاہرہ ہے۔ مثلاً اگر آپ کے کہنے سے کسی نے گاؤں میں کنواں کھدوادیا تو صرف اس کو ثواب نہیں ملے گا، بلکہ قیامت تک آپ کو بھی ملے گا۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد نقل ہوا ہے کہ:

مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ اَجْرُ مِثْلِ فَاعِلِهٖ

"جس نے نیکی کی طرف رہنمائی کی اس کا اجر کرنے والے کی طرح ہے"۔

اس کے اپنے اجر میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے کہ کسی کو دے گا تو حساب کر کے کم کر لے گا، یا ایک کو دے گا، تو دوسرے کا کاٹ لے گا، نہیں، جتنا ایک کو دے گا، دوسرے کو بھی اتنا ہی دے گا۔ دوسروں کو ملا کر کام کرنے سے، اپنا اجر بھی کئی گنا بڑھتا جاتا ہے۔ یہ اس طرح کا حساب ہے کہ۔

کسی بادشاہ نے ایک حساب دان سے پوچھا میں تمہیں کچھ دینا چاہتا ہوں کیا دوں؟ اس نے کہا: حضور مجھے تو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، اللہ کا دیا آپ کا دیا، سب کچھ میرے پاس ہے۔ بادشاہ نے کہا: پھر بھی میں تمہیں کچھ دینا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: پھر آپ ایسا کریں کہ شطرنج کی ایک بساط لیں جن میں ۶۴ خانے ہوتے ہیں اور اس میں اس پہلے خانے میں چاول کے دو دانے رکھ دیں اور پھر ہر خانے میں اس کو دگنا کرتے جائیں۔ اس طرح صرف ۶۴ خانے آپ چاول سے بھر دیں، یہ میرے لئے کافی ہے۔ جب حساب کیا تو معلوم ہوا کہ اگر دو کو ۶۴ دفعہ دگنا کرتے جائیں تو کوئی حساب دان بغیر کمپیوٹر کے اس کا حساب نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کہتا ہے:

فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً [البقرہ: ۲۴۵]

"تو زیادہ کر دے گا اللہ تعالیٰ (تمہارے صدقہ کو) بہت زیادہ"۔

تو ہمارے پاس اللہ کے اجر و ثواب کو شمار کرنے کی کوئی حد نہیں ہے۔ کوئی حساب نہیں کر سکتا کہ اجتماعی کام کرنے سے کتنا اجر بڑھتا ہے۔

خدمت خلق کا کام اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ جب ہم اس کام کے ذریعے عالم انسانیت کے لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح رحمت بن جائیں گے، تو اُس وقت ہمارے وہ خواب بھی پورے ہوں جائیں گے جو ہم دنیا میں دین کی دعوت، دین کے غلبے اور اس

کی اقامت کے لیے دیکھتے ہیں۔ان شاء اللہ۔

اور یہی انفرادی واجتماعی خدمت خلق قرآن پاک کے تین مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے گویا کہ قرآن کا تہائی حصہ خدمت پر لگا ہوا ہے۔

مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ میں اسٹیشن پر پہنچوں، گاڑی چلنے کے لیے تیار کھڑی ہو، میرا ایک قدم پائیدان پر ہو اور دوسرا قدم پلیٹ فارم پر ہو، گارڈ سیٹی دے چکا ہو، گاڑی چلنے لگے ،ایک آدمی دوڑتا ہوا آئے اور پکارے 'احمد علی لاہوری' اللہ کا قرآن سمجھا کے جا۔ حضرت لاہوری فرمایا کرتے تھے، میرا دوسرا قدم پائیدان پر بعد میں پہنچے گا، میں آنے والے کو پورا قرآن سمجھا کے جاؤں گا۔

کسی نے پوچھا حضرت پورا قرآن اتنی تھوڑی سی دیر میں کیسے سمجھا دیں گے۔ فرمایا، ہاں قرآن کا خلاصہ تین چیزیں ہیں رب کو راضی کرو عبادت کے ساتھ، شاہ عرب صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرو اطاعت کے ساتھ اور اللہ کی مخلوق کو راضی کرو خدمت کے ساتھ یعنی عبادت اللہ کی، اطاعت محمد مصطفیٰ کی اور خدمت خلقِ خدا کی۔

امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ انقلاب کیسے آئے گا اور خلافت کیسے قائم ہو گی؟ "اس کا طریقہ اور ترتیب یہ ہے کہ پہلے قرآن کی تعلیم اور فہم کو عام کرنا ہو گا تاکہ لوگ قرآن کو سمجھ سکیں جبکہ قرآن فہمی کی ابتداء بچوں کے قاعدہ پڑھانے سے ہو گی۔

رجوع الی القرآن اور فہم قرآن کے بعد لوگوں کی خدمت کرنی پڑے گی۔ خدمت خلق کر کے انقلاب آئے گا اور خلافت قائم ہو گی یہی ترتیب ہے"۔

یہ خدمت خلق مسلمان کے اجتماعی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری ہے۔ کیونکہ بحیثیت مسلمان ہر مسلمان پر دو قسم کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ایک انفرادی اور دوسری اجتماعی ذمہ داری۔

انفرادی ذمہ داری، اصلاح عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات اور معاشرت ہے، جبکہ اجتماعی ذمہ داری، دعوت دین، اقامت دین، جہاد، خدمت خلق اور تنظیم ہے۔

اسی تناظر میں ایک داعی اور تحریکی کارکن کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ جذبۂ خدمت سے سرشار ہو کر معاشرہ کے لوگوں کو اس کے ذریعے اپنی دعوتِ حق کی طرف مائل کرے۔ اس خدمت سے معاشرہ میں اپنا مقام بنائے، تو لوگوں کا اس پر اعتماد بن جائے گا اور لوگ اس کو اپنا رہنما اور امام مان لیں گے۔ پھر لوگ اس طرح کے داعی اور اسلامی کارکنوں کو اپنا دل تک دے دیتے ہیں۔ تب وہ داعی اپنی دعوتِ حق کا بیج اُن کے دلوں میں بو سکتا ہے۔

اور اس طرح معاشرہ میں ایک صالح انقلاب برپا ہوتا ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگیاں شاہد ہیں۔

خدمت خلق کے کام:

ہمیں چاہیے کہ آج مادہ پرستی کے اس دور میں جب انسان پہلے سے کہیں زیادہ خود غرض ہو چکا ہے، اسے دوسروں کے درد کا احساس نہیں رہا، وہ صرف اپنے بھلے کی سوچتا ہے۔ اسی بنا پر معاشرے میں چھینا جھپٹی، بے انصافی اور غریب اور بے کس کی حق تلفی ہو رہی ہے، ایک بے اطمینانی اور بے قراری کا دور دورہ ہے۔ اگر ہم اُسوۂ رسول ﷺ پر عمل کرتے ہوئے خدمتِ خلق کے جذبہ کو فروغ دیں اور جس حد تک بھی ہم دوسروں کے کام آسکتے ہیں آئیں، جتنا بھی ہمارے بس میں ہو دوسروں کی خدمت کریں۔ جتنا کچھ ہمارے اختیار میں ہو دوسروں کی بھلائی کا سوچیں۔ اس سے معاشرہ میں سدھار پیدا ہو گا اور یہ جذبہ اگر عام ہو جائے تو پورا معاشرہ سکون اور محبت کی شاہراہ پر چل سکے گا۔

۱۔ سب سے پہلے اپنے ماں، باپ، بہن، بھائی، اور دوسرے عزیز رشتہ داروں کی جس حد تک ہو سکے خدمت کرنی چاہیے۔ کسی کو کوئی کام آپڑے تو قبل اس کے کہ وہ آپ سے گذارش کرے۔ آپ خود جا کر اس کی حتی الامکان مدد کریں۔

۲۔ اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھیں۔ انھیں کوئی تکلیف نہ دیں۔

۳۔ اپنے ماتحت اور ملازم سے حسن سلوک کریں۔

۴۔ کسی کا دل نہ دکھائیں کسی سے سخت لہجہ میں بات نہ کریں، کسی کو جھڑکیں نہیں اور بلاوجہ غصہ نہ کریں۔

۵۔ عام زندگی میں یہی خدمت خلق ہے کہ صبح سے رات گئے تک جس کسی سے بھی واسطہ پڑے، اس سے شائستہ لہجہ میں بات کریں۔ کسی کو بھی اپنے سے کمتر نہ جانیں۔

۶۔ کسی کو ضرورت پڑے، کوئی قرض مانگ رہا ہو تو اسکو قرض دے دیں۔

۷۔ اگر گھر پر کوئی مہمان آجائے اس سے اچھا سلوک کریں، محبت سے بات کریں، مقدور بھر خاطر مدارت کریں۔

۸۔ کوئی شخص کسی کا پتہ معلوم کرے تو اس کو ٹھیک پتہ بتادیں۔

۹۔ اگر کوئی پیاسا ہے، مسافر ہے، پانی طلب کرے تو اس کو پانی پلادیں۔

۱۰۔ اگر کوئی بھوکا، کھانا طلب کرے تو اسے روٹی یا جو بھی کھانے پینے کی چیز طلب کرے اور جو چیز موجود ہو دے دیں۔ یاد رکھیں بھوکے کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا سب سے بہتر صدقہ ہے۔

۱۱۔ اگر آپ کے پاس کسی بھی طرح کی گاڑی ہے اور موسم خراب ہے، سڑک پر مسافروں کا ہجوم جمع ہے آپ چند لوگوں کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر منزل مقصود تک پہنچا سکیں، تو اس نیک کام میں آپ کو تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

۱۲۔ اگر آپ اُن خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن کے گھروں میں ٹیلیفون موجود ہے تو آپ کو ان لوگوں کا خیال ضرور کہنا چاہیے جو اس سہولت سے محروم ہیں، اگر کسی کا کوئی پیغام آپ تک پہنچتا ہے تو اسے فوری طور پر اس شخص تک پہنچادیں، ممکن ہے

بعض اوقات ایسا کرنا آپ کے لیے پریشانی کا باعث ہو مگر یہ خیال رکھیں کہ اس طرح آپ کسی کے کام آکر بہت اجر حاصل کریں گے۔

۱۳۔ اگر محلّہ میں کسی کا فون آپ کے توسط سے آتا ہے تو متعلقہ فرد کو مطلع کر دیں تاکہ وہ ضروری بات کر سکے۔ اس میں آپ کو اکتانا نہیں چاہیے۔

۱۴۔ اگر آپ کے اپنے گھر ٹیلی فون نہیں ہے اور آپ نے محلّہ کے کسی ٹیلیفون کا نمبر اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو دے رکھا ہے تو آپ کا فرض ہے کہ صرف انتہائی ضرورت پڑنے پر دوسروں کا فون استعمال کریں بلا وجہ ٹیلی فون پر دیر تک گپیں لڑانا اور فضول باتیں کرنا، دوسروں کو تنگ کرنے کے مترادف ہے۔

۱۵۔ دوستوں سے اچھا سلوک کریں، کسی سے بھی بد مزاجی سے پیش نہ آئیں۔

۱۶۔ اگر آپ تعلیم یافتہ ہیں محلّہ میں کسی اَن پڑھ کو کوئی خط یا مضمون پڑھوانا ہو تو آپ اس کو پڑھ کر سنا دیں۔

۱۷۔ اگر کسی اَن پڑھ انسان کو کوئی خط لکھوانا ہو یا کسی قسم کا فارم پُر کروانا ہو تو شفقت اور محبت کے ساتھ اس کا یہ کام کر دیں۔

۱۸۔ اگر محلّہ کا کوئی بچہ اپنی پڑھائی کے سلسلہ میں آپ سے کوئی مضمون سمجھنا چاہے اور آپ کو وہ مضمون آتا ہو تو اسے تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ کر سمجھا دیں۔

۱۹۔ اگر کوئی خاتون سلائی کڑھائی جانتی ہیں اور محلّہ کے کسی بچی یا خاتون کو ان سے کچھ معلوم ہو تو اُسے سہولت سے سمجھا دینا چاہیے۔

۲۰۔ اگر آپ کو کسی معاملہ میں بھی کچھ معلومات ہے اور کوئی آپ سے پوچھے تو ضرور اسے بتا دیں، خواہ یہ دفتری امور ہوں یا گھریلو کام کاج۔

۲۱۔ اگر آپ بس میں سفر کر رہے ہیں اور وہاں رش زیادہ ہو آپ کو سیٹ مل گئی ہو، آپ یہ دیکھیں کہ کوئی گود میں بچہ لئے ہوئے ہے یا کوئی ضعیف یا بیمار کھڑا ہو تو آپ خود

کھڑے ہو کر انہیں بیٹھنے کا موقع دیں۔

۲۲۔ اگر آپ کے ساتھ بس میں بچہ سیٹ پر بیٹھا ہو تو آپ بچہ کو گود میں لے لیں اور ضعیف یا بیمار کو سیٹ دے دیں۔

۲۳۔ گھر کے پالتو جانوروں کی بھوک اور پیاس کا خاص خیال رکھیں، انہیں وقت پر دانہ ڈالیں اور پینے کے پانی کا انتظام کریں۔

۲۴۔ بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں، ان کو بلاوجہ نہ تو جھڑکیں نہ ہی ڈانٹیں۔

۲۵۔ پالتو جانوروں کو موسم کے اثرات مثلاً بارش، سردی، گرمی سے محفوظ رکھنے کا مناسب انتظام کریں۔ ایسا نہ ہو بارش یا سردی کے ٹھٹھرتے موسم میں وہ باہر چیخ چیخ کر خود بھی تکلیف برداشت کرے اور محلّہ والوں کی نیند بھی برباد کرے۔

۲۶۔ گرمی کے موسم میں پرندوں کے لیے اگر چھت پر یا کھلی جگہ میں کسی برتن میں پانی رکھ دیا جائے تو بہت سے پیاسے پرندے اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ ایک جانور کتے کو پانی پلانے پر ایک شخص کی مغفرت ہوئی تھی۔

۲۷۔ بے سبب ننھے پرندوں کا شکار کرنا، انہیں کسی بھی طرح اذیت دینا گناہ ہے، اپنی ذات سے کسی بھی جاندار کو ستانا نہیں چاہیے۔

۲۸۔ اگر آپ طالب علم ہیں اور آپ کی جماعت میں پڑھائی میں کوئی کمزور طالب علم آپ سے مدد چاہے تو اس کی ضرور مدد کریں۔

۲۹۔ اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ سڑک پر یا گلی میں دو بچے لڑ رہے ہیں تو ان میں صلح صفائی کرا دیں۔ انہیں جھگڑنے سے منع کر دیں۔

۳۰۔ آپ کسی بھی جگہ ہوں، خواہ کسی دفتر میں، سڑک پر محلّہ میں، یا گھر میں، اگر کسی شخص نے دوسرے کے ساتھ زیادتی کی ہو تو آپ مظلوم کا ساتھ دیں اور ان کے جھگڑے کو ختم کرانے کی کوشش کریں۔ انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اور

ظالم کا کبھی ساتھ نہ دیں، اگر آپ خاموش رہے تو ظالم مزید آگے بڑھ سکتا ہے اور دوسروں کے حقوق غصب کر سکتا ہے۔

۳۱۔ یتیم کی پرورش کرنے والا بہت اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے، یتیم بچوں کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔

۳۲۔ اسی طرح بیواؤں، مسکینوں کی امداد کرنے کی بہت زیادہ ہدایت کی گئی ہے۔

۳۳۔ معذور لوگوں کو مثلاً اندھے، بہرے گونگے اور ہاتھ پیروں سے محروم افراد کا خاص طور پر بہت خیال رکھنا چاہیے، ان کی مدد کرنی چاہیے۔

۳۴۔ کسی بیمار کی عیادت کرنا سنت ہے۔

۳۵۔ رفاہ عامہ کے کام میں مثلاً ہسپتال، کنوئیں، مدرسے، مساجد، سرائیں، کتب خانے اور سڑکیں بنوانا، یہ تمام کام خدمت خلق میں شامل ہیں۔ ان سب کی ملک و قوم کو ضرورت ہوتی ہے۔ یہ چیزیں صدقہ جاریہ ہیں یعنی جب تک مخلوقِ خدا ان سے فائدہ اٹھاتی رہے گی، ان کے بنوانے والوں کو اس کا ثواب ملتا رہیگا۔ صاحب استطاعت لوگوں کو رفاہ عامہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ سہولیات میسر ہو سکیں۔

۳۶۔ بڑے کاموں کی افادیت اپنی جگہ ہے، چھوٹے چھوٹے کاموں سے بھی دوسرے کا بھلا ہو سکتا ہے تو ان کاموں میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ یہاں تک کہ گھر میں بعض اوقات کوئی فرد پانی پلانے کے لیے کہتا ہے یا کوئی چیز اٹھا کر لانے یا کسی جگہ رکھ دینے کی ہدایت کرے، تو ان چھوٹے چھوٹے کاموں میں سستی نہیں کرنی چاہیے۔

۳۷۔ راہ چلتے ہوئے اگر سامنے کوئی کانٹے دار جھاڑی یا پتھر پڑے نظر آئیں تو اس خیال سے کہ ان سے کسی کے چوٹ نہ لگ جائے۔ یا تکلیف نہ ہو۔ انہیں ایک طرف کر دینا چاہیے۔

۳۸۔ اگر سڑک پر کسی پھل کا چھلکا خصوصاً کیلے کا چھلکا نظر آئے، تو اسے اٹھا کر کوڑے کے ڈبے میں ڈال دینا چاہیے، کہ اس پر پھسل کر کوئی گر نہ جائے اور کسی کو چوٹ نہ لگے۔

۳۹۔ کسی جگہ کوئی بھی نیکی کا کام، بھلائی کا کام شروع کیا جائے، تو اس میں دامے درمے سخنے حصہ لینا چاہیے۔

۴۰۔ اگر اپنے مسلمان بھائی کے لیے مسکرا بھی دیا جائے تو یہ بھی ایک صدقہ ہے۔

خدمت خلق ہی وہ ذریعہ ہے جس سے بھلائی پھیلتی ہے بے غرض و بے لوث ہو کر دوسروں کی مدد کرنا، دل کی تسکین کا ذریعہ ہے۔ اس سے انسانی روح کو سکون ملتا ہے اور دوسروں کی ضرورت پوری ہوتی ہے، بے اطمینانی اور پریشانی ختم ہوتی ہے۔ جس قوم کے تمام افراد جذبۂ خدمت خلق سے سرشار ہو جائیں وہ قوم خوشحال و مطمئن ہو گی اور روحانی طور پر آسودہ ہوتی چلی جائے گی۔ یہ ایسا نظام حیات ہے جس میں فرد کی دنیوی اور دینی بھلائی پوشیدہ ہے اور یوں اسلام کے زریں اصولوں کے تحت زندگی گزار کر ہم دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی حاصل کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خدمت خلق کا زیادہ سے زیادہ شعور عطا فرمائے اور اس کی توفیق دے۔ آمین

ابو معاویہ محمد ایاز درانی
جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور شہر
مارچ 2011ء، ربیع الثانی 1432ھ

ماخذ و مراجع

☆ قرآن پاک	
☆ جامع بخاری شریف	امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ
☆ مشکوٰۃ شریف	شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی
☆ حقوق العباد کی فکر کریں۔	مولانا ہارون معاویہ کراچی
☆ حقوق العباد کی اہمیت	مولانا محمد طیب کراچی
☆ معاشرت نبوی اور سائنس	حکیم طارق محمود چغتائی
☆ خدمت خلق کے انفرادی واجتماعی تقاضے	انجنیئر خرم جاہ مراد
☆ خدمت انسان اور بندگی رب	انجنیئر خرم جاہ مراد
☆ خدمت خلق	محترمہ عفت گل اعزاز
☆ اسلامی خطبات	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
☆ خطبات علی میاں	مولانا سید ابوالحسن ندویؒ